حسام الحرمین

کے ۱۰۰ سو سال

مصنف: ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی

Published by:



TEHREEK-E-FIKR-E-REZA

تحریک فکر رضا

95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008. India
Tel: 56008260 • Visit our website : www.fikreraza.net

حسّامُ الحرمین

کے سو ۱۰۰ سال

(پسِ منظر و پیشِ منظر)

تحریر: ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی (پاکستان)

ناشر: تحریک فکرِ رضا

95، اُندریا اسٹریٹ، ناگپاڑہ، ممبئی-8

فون: 5600 8260

email: editor@fikreraza.net

نامِ کتاب	:	حسام الحرمین کے سو سال (پسِ منظر و پیش منظر)
مصنف	:	ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی (ایم بی بی ایس)
کمپوزنگ	:	مصنف بذاتِ خود
سنِ اشاعت	:	۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء
تعداد صفحات	:	۶۴
اشاعت	:	دسمبر ۲۰۰۴ء
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	-/20 (بیس) روپے

نوٹ: یہ کتاب ہماری ویب سائٹ www.ahlesunnahshop.com سے بھی خرید سکتے ہیں۔

ملنے کے پتے

- ☆ کتب خانہ امجدیہ، ۴۲۵، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی
- ☆ اجمیری بک ڈپو، ۱۶۷، ڈِم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۸
- ☆ مکتبۂ طیبہ، اسمٰعیل حبیب مسجد، محمد علی روڈ، ممبئی۔ ۳
- ☆ مکتبۂ اعلیٰ حضرت، محمد علی روڈ، ممبئی۔ ۳
- ☆ مکتبۃ المدینہ، بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۳
- ☆ سلور بک ایجنسی، بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۳
- ☆ ناز بک ڈپو، بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۳
- ☆ اردو کتاب گھر، نزد گھوٹالہ مسجد، منگل بازار، بھیونڈی

عرضِ ناشر

ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی، ۱۹۶۳ء میں غلام حسین جو کہ ایک متوسط درجہ کے کاشتکار ہیں کے ہاں گاؤں ''چک کھیارہ'' تحصیل جہانیاں ضلع خانیوال (علاقہ ملتان شریف) پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں میٹرک پاس کیا تو خیالات مودودی جماعت کی طرف ہو گئے اور ان کے لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ اسی دوران امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی کتاب ''تمہید ایمان'' علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الحق المبین'' اور ''محاسنِ کنزالایمان'' از ملک شیر محمد اعوان مطالعہ کیں تو سابقہ خیالات سے توبہ کی اور مسلکِ اہل سنت اختیار کیا۔ الحمدللہ۔

ڈاکٹر الطاف حسین نشتر میڈیکل کالج، ملتان سے ایم بی بی ایس کی تعلیم کے دوران غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے۔ آپ نے تمام فرقہ ہائے باطلہ کے لٹریچر کا مطالعہ کیا، اور یہاں تک استعداد حاصل کر لی کہ عیسائی، مرزائی، وہابی، دیوبندی، شیعہ، منکرِ حدیث وغیرہ کا کوئی فرد ان سے بحث نہیں کر سکتا ہے۔ آپ بڑی سنجیدہ اور متین طبیعت رکھتے ہیں۔ آپ کی ایک کتاب ''افضلیتِ غوث اعظم'' شائع ہو چکی ہے، دوسری کتاب ''آؤ حدیث کی طرف'' زیر طبع ہے۔ ماہنامہ ''السعید'' ملتان میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ضلع وہاڑی کے ایک سرکاری اسپتال میں تعینات ہیں۔ نثار ہومیو پیتھک کالج کے سابق لیکچرار بھی رہے ہیں۔ آپ ڈیوٹی کے بعد ہومیو پیتھک کی پریکٹس بھی کرتے ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ اللہ کریم جل مجدہٗ ان کے علم وعمل میں برکت فرمائے، آمین۔

زیر نظر مقالہ اس الزام کی تردید میں تحریر کیا گیا ہے کہ جناب دیکھئے مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے بڑے بڑے علماء کی تکفیر کر دی، علمائے دیوبند نے اپنی عبارات کی وضاحت بھی کی پھر بھی مولانا احمد رضا خاں نے ان کو کافر قرار دیدیا، جبکہ ان عبارات کا وہ

مفہوم نہیں جو مولانا احمد رضا خاں نے لیا۔ وغیرہ وغیرہ

الحمدللہ زیر نظر مضمون میں محترم ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی صاحب نے ان تمام مفاہیم کا قلع قمع کردیا ہے جو کہ علمائے دیوبند ان عبارات کے دفاع میں بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ رسول دشمنی میں اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ انہیں توہین آمیز عبارات کا احساس ہی نہیں بلکہ جس بات سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ظاہر ہوتے ہوں وہ بھی انہیں اچھی نہیں لگتی۔ ایک مرتبہ مولانا محمد سعید اسد مدظلہٗ (فیصل آباد، پاکستان) اور دیوبندی مولوی امین صفدر اوکاڑوی (ملتان، پاکستان) کے مابین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کے موضوع پر مناظرہ ہوا، مولانا سعید اسد صاحب نے مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب ''نشر الطیب'' سے حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کا حوالہ پیش کیا، دیوبندی مولوی نے جواب میں کہا کہ اس حدیث کی سند پیش کرو۔ مولانا سعید اسد نے کہا کہ اس کی سند اپنے بابا (مولوی اشرف علی تھانوی) سے پوچھو، اس نے یہ حدیث اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ دیوبندی مولوی کہنے لگا کہ بزرگوں سے غلطی ہوسکتی ہے۔ اس واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ جو صریحاً گستاخیاں ہیں وہ انہیں نظر ہی نہیں آتیں اور جس بات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ظاہر ہوں انہیں وہ فضائل بھی غلطیاں ہی نظر آتی ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے ''خدا جب عقل لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے''۔

رہا یہ الزام کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے علمائے دیوبند کی تکفیر کرکے زیادتی کی تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ دیوبندی مولوی محمد ادریس کاندھلوی، لاہور (متوفی ۱۹۷۴ء) لکھتے ہیں!

> ''حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ علماء کسی کو کافر نہیں بناتے اور نہ کوئی کسی کو کافر بنا سکتا ہے، کافر تو خود اپنے قول و فعل سے بنتا ہے، البتہ علماء اس کو یہ بتا دیتے ہیں کہ اس قول و فعل سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، کافر بنانا علماء کے اختیار میں نہیں اور بتا دینا جرم نہیں''۔

(مولوی محمد ادریس کاندھلوی، مسلمان کون ہے کافر کون؟، مطبوعہ لاہور، ص ۱۱)

(افاضات الیومیہ، حصہ چہارم، ملفوظ نمبر ۴۷، مطبوعہ ادارہ اشرفیہ ٹمپل روڈ کراچی، ص۴۹)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے کسی کو کافر نہیں بنایا، بلکہ شرعی فریضہ ادا کیا اور بتایا کہ تم لوگوں کی یہ عبارتیں تنقیصِ الوہیت و رسالت کی وجہ سے کفریہ ہیں ان سے توبہ کیجئے۔ یہ کہنا کوئی جرم نہیں بلکہ خیر خواہی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ ۱۳۰۹ھ میں رسالہ ''سبحان السبوح'' پہلی بار شائع ہوا، اس میں گنگوہی صاحب اور قائلینِ امکانِ کذب پر اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزومِ کفر ثابت کیا، لیکن تکفیر نہیں کی۔ ۱۳۱۶ھ میں رسالہ ''الکوکبۃ الشہابیہ'' شائع ہوا جس میں مولوی اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۸۳۱ء) کے ستر ۷۰ کفریات گنائے لیکن تکفیر سے اجتناب ہی کیا۔ اس حقیقت کو خود امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

''مسلمانو! یہ روشن ظاہر واضح قاہر عبارات تمہارے پیش نظر ہیں، جنہیں چھپے ہوئے دس دس اور بعض سترہ اور تصنیف کو انیس سال ہوئے اور ان دشنامیوں کی تکفیر تو اب چھ سال یعنی ۱۳۲۰ھ سے ہوئی ہے، جب سے ''المعتمد المستند'' چھپی، اب عبارات کو بغور نظر فرماؤ اور اللہ و رسول کے خوف کو سامنے رکھ کر انصاف کرو۔

یہ عبارتیں فقط ان مفتریوں کا افتراء ہی ردّ نہیں کرتیں بلکہ صراحۃً صاف صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہرگز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا، جب تک یقینی قطعی واضح روشن جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہولیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش، کوئی تاویل نہ نکل سکی۔

آخر یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو ان کے اکابر پر ستّر ستّر وجہ سے لزومِ کفر کا ثبوت دے کر یہی کہتا ہے کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوجائے

اور حکمِ اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل باقی نہ رہے۔

یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو خود ان دشناميوں کی نسبت جب تک ان کی دشناميوں پر اطلاع یقینی نہ ہوئی تھی، اٹھتر وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزومِ کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔

جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا، اب رنجش ہوگئی، جب ان سے جائیداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہوئی؟ حاش للہ! مسلمانوں کا علاقہ محبت و عداوتِ خدا و رسول ہے، جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئیں یا اللہ و رسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھیں، اس وقت کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایت احتیاط سے کام لیا، حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح اُن پر کفر لازم تھا، مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین کا عظام کا مسلک اختیار کیا، جب صاف صریح انکار ضروریات دین و دشنام دہی رب العالمین وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر آئمہ دین کی تصریحیں سن چکے۔"

(امام احمد رضا، تمہید ایمان، مطبوعہ، لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۴۸ تا ۵۰)

مرتضٰی حسن در بھنگی (متوفی ۱۹۵۱ء) سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں!

"اگر (مولانا احمد رضا) خاں صاحب کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے تھے جیسا کہ انہوں نے سمجھا، تو خاں صاحب پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہوجاتے"۔

(مرتضٰی حسن در بھنگی، اشد العذاب، مطبوعہ مجتبائی جدید دہلی، ص ۱۳)

امام احمد رضا کے اسی تاریخی کارنامے "حسام الحرمین" کے سو سال مکمل ہونے پر ادارہ تحریک فکر رضا اس مقالہ کو شائع کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر نافع خواص و عوام بنائے۔ اور اس کی روشنی میں ہمیں ایمان کو مضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے، وہ اپنے بندوں کو جانچنے کے لیے انہیں طرح طرح کے امتحانات سے گزارتا ہے۔ ۱۲۰۰ھ کے بعد جو فتنے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے پیدا ہوئے، وہ قیامت کی نشانیوں میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ الآیات بعد المأتین (مشکوٰۃ) کا ایک ممکنہ مفہوم (احتمال) یہ بھی لیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بارہ سو سال بعد آثارِ قیامت نمودار ہوں۔ چنانچہ تیرھویں صدی کی ابتداء میں شاہ اسماعیل دہلوی (۱۱۹۳ھ۔۱۲۴۶ھ) نے تقویۃ الایمان لکھ کر تفریق بین المسلمین کا آغاز کیا، کتاب ''ارواحِ ثلثہ'' میں حالاتِ شاہ اسماعیل دہلوی حکایت نمبر ۵۹ میں ہے کہ انہوں نے اپنے اس جرم کا اعتراف بھی کیا ہے۔ باہمی خانہ جنگی، لڑائی بھڑائی اور فساد کا اعتراف کرنے کے باوجود بھی کتاب میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی، بلکہ کتاب ''صراطِ مستقیم'' میں اپنے پیر سیّد احمد بریلوی (۱۲۰۱ھ۔۱۲۴۶ھ) کے لیے اللہ تعالیٰ سے مصافحہ و مکالمہ اور کلامِ حقیقی کرنے کے دعوے کیے اور ان کے لیے معصومیت اور وحیِ باطنی کے مقام کا دعویٰ بھی کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ منصبِ نبوت نشانے پر ہے۔ ایک جماعتِ علماء اپنے اس لیڈر کو امام مہدی ماننے لگی اور اس نے چہل حدیث بھی بزعم خویش جمع کرلی۔ (حاشیہ، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۳۲۔۱۳۳)

بالاکوٹ کے معرکے میں یہ تحریک بظاہر اپنے انجام کو پہنچی مگر اس کی باقیات نے مہدویت اور نبوت پر تدریجاً پہنچنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ علمائے حق نے اپنے اپنے طور پر ان فتنوں کا مقابلہ کیا۔ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حسام الحرمین'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ میں لکھنی شروع ہوئی اور ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۴ء میں مکمل ہوئی۔ ۱۳۲۵ھ میں اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی۔ آج اس کتاب کو وجود میں آئے ایک صدی گزر چکی ہے۔ جھوٹ، بہتان، گالی گلوچ، دھوکہ فراڈ اور

تشدد کے ساتھ اس کتاب کا جواب دینے کی کوششیں کی گئیں، جس سے مذہبی خودکشی کی کئی علمی مثالیں بھی سامنے آئیں۔ متعلقہ افراد کے نام و جرم مع تبصرہ حاضر خدمت ہیں۔

ا۔مرزا غلام احمد قادیانی کا جُرم:

مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۹ء۔ ۱۹۰۸ء) نے ۱۸۸۰ء۔۱۸۸۴ء میں ''براہینِ احمدیہ'' شائع کی جس میں مدعی نے الہام مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۱۸۹۱ء میں مہدی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کیااور ۱۹۰۱ء میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ اس کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے اس بات سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ ۱۸۶۹ء میں انگریز مفکرین پادریوں کی ایک جماعت ایک خاص مقصد کے لیے ہندوستان آئی۔ ۱۸۷۰ء میں اس وفد کے ارکان کا واپس لندن پہنچ کر اجلاس ہوا، ایک رپورٹ تیار ہوئی، جس میں ایک ایسا آدمی تلاش کرنے پر زور دیا گیاجو اپنے ظلّی نبی ہونے کا اعلان کرے۔ (پیش لفظ، بیس بڑے مسلمان، از ڈاکٹر خالد محمود، مطبوعہ لاہور، ص۶)

دو سال بعد ہی ۱۸۷۲ء میں کتاب ''تحذیر الناس'' وجود میں آئی جس میں خاتم النبیّین کے مسنون، متواتر اور اجماعی معنی کوٹھکرا کر نیا معنی ایجاد کیا گیا۔ مگر سات سال بعد ۱۸۷۹ء میں تحذیر الناس کا مصنف مر کر مٹی میں مل گیا تو متبادل ڈھونڈا گیا، چنانچہ اسی سال مرزا قادیانی نے ''براہینِ احمدیہ'' نامی کتاب لکھنے کا اعلان کیا۔ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک اس کتاب کی چار جلدیں وجود میں آئیں۔ اس کتاب میں الہامات ایجاد کر کے مقاماتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ڈاکہ ڈالااور تحریف قرآن کا ارتکاب کیا۔ مگر غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی (متوفی ۱۳۳۸ھ) نے اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں اسے اسلام کی تاریخ میں بے نظیر کتاب قرار دیا۔ ۱۸۸۴ء میں ہی غیر مقلدین کے شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے ۱۷/ نومبر ۱۸۸۴ء کو مرزا قادیانی کا نکاح پڑھایا (مطرقۃ الحدید، از مولوی یحییٰ گوندلوی غیر مقلد، ص۱۴) ابوالحسن علی میاں ندوی اور رفیق دلاوری مصنف ''رئیس قادیان'' بھی براہین احمدیہ پر سب اچھا کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (مطرقۃ الحدید، ص۳۹،۴۰)

بہ ہر حال جب براہین احمدیہ چھپی تو ۱۳۰۱ھ مولوی محمد لدھیانوی، مولوی عبداللہ لدھیانوی اور مولوی عبدالعزیز لدھیانوی ابنائے مولانا عبدالقادر لدھیانوی نے براہینِ احمدیہ کے مصنف کو ملحد و زندیق قرار دیا۔ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں مناظرِ اہل سنت حضرت علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ردّ شائع کیا، جس کا نام "رجم الشیاطین بر اغلوطات البراھین" ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے "تحقیقاتِ دستگیریہ فی ردّ ہفوات براھینیہ" بھی لکھی۔ مگر دیوبندیت کے امام مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) نے ان حضرات کا فتویٰ ردّ کرتے ہوئے مرزا قادیانی کو مردِ صالح قرار دیا۔ (فتاویٰ قادریہ از مولوی محمد لدھیانوی، ص۳۔ رئیس قادیان، ص۳۷۴۔ تقدیس الوکیل، ص۳۹۰) اس پر مذکورہ علمائے لدھیانہ نے رشید احمد گنگوہی صاحب کو گمراہ و گمراہ گر کہا، خنّاس کہا، الہاماً بدشکل قرار دیا۔ (فتاویٰ قادریہ صفحہ۹۹، ۱۴۱، ۱۴۰،۴۲) اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاوائے امکانِ کذب کا ردّ کیا۔ (فتاویٰ قادریہ ص ۹۴، ۱۴۱) مذکورہ علماء لدھیانہ کو دیوبندی قرار دینا عجیب تحکم اور سینہ زوری ہے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں اپنی کتاب "تقدیس الوکیل" ص۳۹۰ میں تذکرہ کیا ہے کہ "مرزا قادیانی براہین احمدیہ میں انبیاء سے برابری کرنے سے بڑھ کر نبیوں سے اپنے آپ کو اونچا کر رہا ہے، یہاں رشید احمد اس کو مردِ صالح سے تعبیر کرتے ہیں، اور فقیر نے جب اس کا ردّ لکھ کر مع اس کی اصل کتاب اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" کے جس میں اس نے مرزا کے اقوال کی تائید کی ہے، حرمین معظمین بھیج کر فتویٰ طلب کیا تو ...... مفتیانِ اربعہ مذاہب مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ وغیرہم مدرسین نے اس کی تکفیر و تفسیق فرمائی۔

۱۸۹۱ء میں جب مرزا قادیانی نے حیاتِ مسیح علیہ السلام کا انکار کیا اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی وغیرہ بھی مرزا کے مقابلے پر اُتر آئے۔ ان کے جلو میں مولوی ثناء اللہ امرتسری (متوفی ۱۹۴۸ء) بھی آ گئے، تاہم ان سات سالوں میں غیر مقلدوں اور دیوبندیوں کے عوام کا کافی حصہ مرزا کے جال میں آ چکا تھا۔

۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں مولانا غلام رسول شہید امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) نے ''الالھام الصحیح فی اثبات حیاۃ المسیح'' لکھی، مولانا ارشاد حسین رام پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) نے بھی ''فتویٰ در تردید دعاوی مرزا قادیانی'' لکھا۔ مولانا غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء) نے ''فتویٰ در ابطالِ نکاح المرتد'' لکھ کر پنجاب میں سب سے پہلے مرزا کو مرتد قرار دیا۔

مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۱۴ھ میں مرزا کو مباہلہ کے لیے للکارا اور ''فتح الرحمانی بہ دفع کید قادیانی'' لکھی۔ مرزا قادیانی کو جنوری ۱۸۹۷ء میں طے شدہ میدانِ مباہلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی، مولانا نے جان لیا کہ ابھی مرزا کی موت کا وقت دور ہے جبھی مباہلہ میں آنے سے بچ گیا، آتا تو مر جاتا۔ آپ نے دعا کی کہ مرزا کو توبہ کی توفیق ملے یا پھر (اپنے وقت پر) ظالموں کی جڑ کٹنے (مرزا کی موت کا عمل) اتنا توہین آمیز ہو کہ مسلمان خوش ہوں اور تیری حمد کریں۔ مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ اتمامِ حجت کے تمام مرحلے پورے کرنے کے بعد اپنا فرض ادا کر کے ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) ۱۸۸۹ء میں مناظرۂ بہاول پور میں مرزا قادیانی کے بارے میں مولانا غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمہ کی زبانی فتوے سُن چکے تھے اور مولانا قصوری کی حمایت بھی کر چکے تھے۔ (ملاحظہ ہو تقدیس الوکیل) آپ نے اپنی کتاب ''فوائد فریدیہ'' ۱۸۹۵ء میں چھپوائی تو اس میں مردود اور دوزخی فرقوں میں فرقہ احمدیہ مرزائیہ بھی درج فرما دیا۔ مرزائیوں نے جعل سازی سے جو مکتوب (بذریعہ غلام احمد اختر و مولوی رکن دین) ''اشاراتِ فریدی'' میں درج کروایا، اس کے موضوع (گھڑے ہوئے اور جعلی) مکتوب ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اس جعلی خط میں ہے کہ ''میری زبان پر کبھی بھی تیرے بارے میں سوائے تعظیم کے کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا''، حالانکہ اس سے پہلے دو سال سے فوائد فریدیہ چھپی ہوئی تھی اور اس میں آپ نے مرزائی احمدی فرقہ کو مردود اور دوزخی لکھا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمہ پر بہتان تراشی کی گئی ہے۔

دیوبند کے شیخ الکل مولوی رشید احمد گنگوہی سب سے آخر میں مرزا کے مخالف ہوئے اور اُسے صرف ''گم راہ'' کہا۔ (رئیس قادیان، ص ۴۱۸، ۴۵۱۔ تذکرۃ الرشید، ج ۱، ص ۱۴۰) مرزا قادیانی کے کافر یا مرتد ہونے کا کوئی فتویٰ گنگوہی صاحب کے قلم سے جاری نہ ہوسکا، کتاب یا رسالہ لکھنا تو دور کی بات ہے۔

۱۳۱۴ھ میں مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''انوار آفتاب صداقت'' (متوفی ۱۹۴۶ء تقریباً) نے کتاب ''کلمہ فضل رحمانی'' لکھ کر مرزا کی حقیقت کو ظاہر کیا۔

۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء میں سہارنپور (یوپی، انڈیا) سے حیاتِ مسیح کے سلسلے میں بریلی شریف سوال بھیجا گیا تو مرزا کے ردّ میں مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) نے ''الصارم الربانی علیٰ اسراف القادیانی'' لکھی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے اس کی تقریظ میں مرزا کو فرعون اور شیطان قرار دیا۔

۱۸۹۹ء میں مولانا محمد حسن فیضی جہلمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) نے ۱۳ر فروری کو مسجد حکیم حسام الدین (سیالکوٹ) میں اپنا ایک بے نقط عربی قصیدہ مرزا کو دیا اور پڑھنے کو کہا مگر مرزا نے پڑھنے کی جرأت نہ کی اور اپنے جاہل ہونے کا ثبوت دیا۔

۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰ء میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) نے کتاب ''شمس الهدایہ فی اثبات حیات المسیح'' لکھی۔ ۲۵ر اگست ۱۹۰۰ء کو حضرت اعلیٰ گولڑوی علیہ الرحمہ کا مرزا سے لاہور میں مناظرہ ہونا تھا مگر مرزا نہ آیا۔ آپ نے ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں لاجواب کتاب ''سیف چشتیائی'' لکھی۔

اگست ۱۹۰۲ء/ ۱۳۲۰ھ میں مولانا پیر عبدالغنی کشمیری امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۸ھ) نے امرتسر سے بریلی شریف ایک فتویٰ تصدیق کے لیے بھیجا، اس میں مرزا کی عباراتِ متفرقہ درج تھیں، تو مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ''السوء و العقاب علی المسیح الکذاب'' لکھا، جس میں آپ نے لکھا کہ ''اس شہر میں مرزا کا فتنہ نہ آیا، اس کی تحریرات یہاں نہیں ملتیں''۔ اور پھر اس کی ہر عبارت کی قباحت ثابت کرنے کے بعد لکھا کہ ''اگر یہ اقوال مرزا کی تحریروں میں اسی طرح ہیں تو واللہ واللہ وہ یقیناً کافر اور جو اس کے ان اقوال یا ان کے

امثال پر مطلع ہوکر اسے کافر نہ کہے وہ بھی کافر"۔ پھر مرزائیوں کے بارے میں لکھا کہ "مرزا کو امام و پیشوا و مقبولِ خدا کہتے ہیں قطعاً یقیناً سب مرتد ہیں"۔ اس فتویٰ کے بعد مرزا کی کتابیں منگوائی گئیں تو ۱۳۲۰ھ میں ہی "المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد" میں مرزا کی بعض عبارات ذکر کر کے تکفیر فرمائی، ۱۳۲۳ھ میں "قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان" لکھی۔ ۱۳۲۴ھ میں "حسام الحرمین" میں مرزائے قادیان کی تکفیر حرمین شریفین کے علماء کی تصدیقوں کے ساتھ کی گئی۔ اس کے ردِ عمل میں علمائے دیوبند کو بھی "المہند" میں ۱۳۲۶ھ میں مرزا قادیانی کو کافر قرار دینا پڑا۔ ساتھ ہی یہ جھوٹ بھی بولا گیا کہ، مولانا رشید احمد گنگوہی کا کفرِ قادیانی کا فتویٰ مطبوع و شائع شدہ ہے، حالانکہ وہ فتویٰ گمراہی کا ہے۔ (تذکرۃ الرشید، ج۱، ص۱۴۰) اہلِ علم جانتے ہیں کہ کفر اور گمراہی میں بعض اعتبار سے نہ سہی تو بعض اعتبار سے فرق ہے۔

اسی دوران مولانا کرم الدین دبیر ساکن موضع بھیں ضلع جہلم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) نے ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۴ء تک مرزا اور مرزائیوں کو سرکاری مقدمات میں خوب رسوا کیا۔

مولانا نواب الدین رمداسی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) نے اگست ۱۹۰۳ء میں مرزا کو بازو سے پکڑا اور لاجواب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر خدا کو نبی بنانا ہوتا تو تجھ جیسے بجّو کو نہ بناتا بلکہ مجھ جیسے وجیہ کو بناتا مگر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے"۔

۲۲ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) نے بادشاہی مسجد لاہور میں جمعۃ المبارک کے خطبے میں مرزا قادیانی کو مباہلہ کا چیلنج دیا، مرزا لاہور میں موجود تھا، باربار کے تقاضا اور اعلان کے باوجود سامنے نہ آسکا۔ ۲۵، ۲۶ر مئی کی درمیانی شب میں آپ نے مرزا کی موت کی پیش گوئی فرمائی اور ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا عبرت ناک رسوائی کے ساتھ مر کر جہنم رسید ہوا۔ فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العلمین۔

علمائے غیر مقلدین کے شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) نے مرزا کو مسلمان ماننے والے علماء کے خلاف کوئی فتویٰ نہ دیا (فتاویٰ نذیریہ، ج۲، ص۳۸۹)

گویا مرزا کی تکفیر کو فروعی اور مختلف فیہ قرار دیا۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد کو فاتح قادیان کہا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا کے خلاف مولوی ثناء اللہ نے بہت کام کیا۔ مگر بایں ہمہ کتاب "فیصلہ مکہ" ص۲۶ پر اُن کے بارے میں ان کے ساتھی انکشاف کرتے ہیں کہ "آپ نے لاہوری مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی...... آپ نے فتویٰ دیا کہ مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ہے ...... آپ نے مرزائیوں کو عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کے جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا"۔ آپ نے ۱۲؍اپریل ۱۹۱۵ء کو اخبار اہل حدیث امرتسر میں لکھا کہ "میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر ایک کلمہ گو کے پیچھے اقتداء جائز ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی"۔ آپ نے ۱۷؍جولائی ۱۹۰۸ء کے اخبار اہل حدیث امرتسر میں لکھا کہ "مرزائیوں کو کافر نہ کہنے والوں کو کافر کہنا صحیح نہیں ہے"۔ آپ نے ۲؍نومبر ۱۹۳۴ء کے اخبار اہل حدیث امرتسر میں مرزائن عورت سے نکاح جائز قرار دیا۔ گویا مولوی ثناء اللہ امرتسری کے نزدیک بھی تکفیر مرزائی فروعی اور مختلف فیہ مسئلہ تھا۔

مولوی شمس الحق ڈیانوی غیر مقلد (متوفی ۱۳۲۹ھ) نے مرزائیوں کو صرف گمراہ کہا۔ (مطرقۃ الحدید، ص۸۔ فیصلہ مکہ، ص۷)

ہفت روزہ "تنظیم اہل حدیث" لاہور شمارہ ۲۲؍مارچ ۱۹۷۴ء میں انکشاف کیا گیا کہ (امیر جمعیت اہل حدیث) مولوی محی الدین لکھوی تو اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ مرزائیوں کو کافر نہیں کہتے"۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی (متوفی ۱۹۷۹ء) کا ایک مکتوب ملتا ہے کہ لاہوری احمدی جماعت کی تکفیر نہیں ہو سکتی کہ وہ مرزا قادیانی کو محض ایک مجدد مانتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی) نے کتاب "تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ" ص۱۹۰ پر مولانا مودودی کی جماعت کا یہی موقف ذکر کیا ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی حسام الحرمین کے ایک سال بعد ۱۳؍ذی قعد ۱۳۲۵ھ تک یہی لکھ رہے ہیں کہ "خاص مرزا کی نسبت مجھ کو پوری تحقیق نہیں کہ کوئی وجہ کفر کی ہے یا نہیں۔ (امداد الفتاویٰ، ج۴، ص۱۱۶) دس سال بعد ۲۶؍شوال ۱۳۳۵ھ کو تھانوی کو کسی معتقد نے خط

لکھا تو اس نے شکایت کی کہ ''اس وقت جناب کا اور حضراتِ دیوبند کا بہت اثر ہے، اگر حضرات کی خاص توجہ اس طرف ہوتی تو لوگوں پر زیادہ اثر ہوتا اور لوگوں کو یہ خیال ہوتا کہ واقعی یہ فتنہ ہے اس سے بچنا ضروری ہے''۔ جواباً تھانوی صاحب نے ردّ قادیانیت کو فرض کفایہ کہہ کر جان چھڑائی۔ (امداد الفتاوی، ج۲، ص۱۷۸) بلکہ تھانوی صاحب نے چشتی رسول اللہ کو کلمۂ کفر ماننے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ''کلمۂ کفر جب ہے کہ ماؤّل نہ ہو''۔ پھر دو تاویلیں گھڑی ہیں، اور ایک قول صحابی گھڑا ہے کہ انہوں نے (صحابی نے) کہا ہے ''انـــــی رسـول اللہ الیکـم ''۔ معاذ اللہ (السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ، از مولوی اشرف علی تھانوی، مطبوعہ الہ آباد ۱۳۵۱ھ، صفحہ ۱۱۷) اہل سنت ایسا کلام کفر مانتے ہیں، تواتر تو کیا خبر واحد سے بھی یہ ثابت نہیں۔ ایسا سکر یا غلبۂ حال میں ہی ہو سکتا ہے۔ (ان شاء اللہ اس موضوع پر پھر کبھی لکھا جائے گا)

مولانا ابوالکلام آزاد وفاتِ مسیح کے قائل تھے اور مرزا کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ (ملفوظاتِ آزاد، ص۱۳۰)

مولوی عبید اللہ سندھی اپنی تفسیر ''الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن'' ص ۲۴۱ پر لکھتے ہیں کہ ''جو حیاتِ عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے، یہ یہودی کہانی نیز صابی من گھڑت کہانی ہے''۔ مولوی عبید اللہ سندھی احمدی اور غیر احمدی میں نفرت کے قائل نہیں تھے، وہ اس روگی مذہبیت کو مٹانا چاہتے تھے۔ (اقبال، قائد اعظم اور پاکستان، از راجہ رشید محمود، ص۱۴۴)

مولوی کفایت اللہ دہلوی نے خاندانی مرزائی کے ہاتھ کا ذبیحہ درست قرار دیا ہے اور اسے اہل کتاب کے درجے میں رکھا ہے۔ (کفایت المفتی، ج۱، ص۳۱۴)

مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی نے فتویٰ دیا ہے کہ جس شخص کو مرزا کے عقائد باطلہ کا علم ہو مگر وہ شخص کسی شبہ اور تاویل سے کافر نہ کہے تو اس کو کافر نہ کہا جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج۱۲، ص۷، ۸)

دیوبندی شیخ التفسیر مولوی احمد علی لاہوری نے صاف صاف کہہ ڈالا کہ ''مرزا غلام احمد قادیانی اصل میں تو نبی تھے لیکن میں نے ان کی نبوت کشید کرلی اور یہ نبوت اب مجھے وحی کی

منفعتوں سے نواز رہی ہے۔" (ماہنامہ تجلی، دیوبند، شمارہ جنوری ۱۹۵۷ء)

قادیانی نبوت اور وحی کے فیض یافتہ یہ اکیلے ہی نہیں بلکہ دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب "احکامِ اسلام عقل کی نظر میں" میں مرزا کی کتابوں کی عبارتوں کی عبارتیں اپنے نام سے شائع کی ہیں اور وہ اس میں مکمل فیض یافتۂ مرزا معلوم ہوتے ہیں۔ (مطرقۃ الحدید، ص ۵۴،۵۳) اس کتاب کا پہلا حصہ ان کی زندگی میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ دوسرا حصہ ماہنامہ "الہادی" کی جلد اوّل از جمادی الاوّل ۱۳۴۳ھ لغایت ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ میں طبع ہوا جو محمد عثمان عامی کی ادارت میں مطبع محبوب المطابع دہلی سے چھپ کر کتب خانہ اشرفیہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ شمسی تقویم کے مطابق اس شمارہ کی تاریخ طباعت نومبر ۱۹۲۵ء بنتی ہے اور مولانا تھانوی کے نام کے ساتھ "مدظلہم" لکھا ہے، اسی شمارے میں لکھا ہے کہ اس کتاب کی جلد سوم جمادی الاوّل ۱۳۴۴ھ جلد دوم الہادی میں شائع ہونی شروع ہوگی، اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ کتاب تھانوی صاحب کی زندگی میں شائع ہوچکی تھی۔ (ماہنامہ نعت، تحقیق وسرقہ نمبر، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۱۲۹) غالباً یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں کسی نے مرزا کے متعلق سخت الفاظ استعمال کیے تو تھانوی صاحب نے اس کا بُرا منایا اور مرزا کا دفاع کیا۔ عبدالماجد دریا بادی عینی شاہد ہیں کہ تھانوی نے کہا کہ "یہ زیادتی ہے، توحید میں ہمارا ان کا کوئی اختلاف نہیں، اختلاف رسالت میں ہے اور اس کے بھی صرف ایک باب میں یعنی عقیدۂ ختم رسالت میں"۔ (مطرقۃ الحدید از مولوی محمد یحییٰ گوندلوی غیر مقلد، ص ۵۵۔۵۶، بحوالہ سچی باتیں، ص ۲۱۳) مولانا دریا بادی چونکہ محمد علی لاہوری مرزائی کی تفسیر سے فیض یاب ہوئے اس لیے وہ خود بھی قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ان کے اس نرم گوشے کو "خطائے اجتہادی" کا نام دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ) (جماعت اسلامی پاکستان کا ماہنامہ ترجمان القرآن، شمارہ فروری ۱۹۹۶ء، ص ۸۴)

یہ سلسلہ یہیں نہیں رکتا بلکہ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو جب پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے قرارداد پیش ہونی تھی تو دو عدد دیوبندی مولویوں نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کردیا، ایک مولوی غلام غوث ہزاروی اور دوسرے

مولوی عبدالحکیم (صوبہ سرحد)۔ یونہی مولانا کوثر نیازی نے ہفت روزہ ''شہاب'' لاہور ۳۰/اپریل ۱۹۷۰ء اور ۲۱/مئی ۱۹۷۰ء کے شماروں میں انکشافات کیے ہیں کہ مولوی احتشام الحق تھانوی تو احمدیوں کا نکاح پڑھواتے رہے ہیں۔ یہ تو خیر گزری کہ انور شاہ کشمیری اور عطاء اللہ شاہ بخاری نے ختم نبوت کے سلسلے میں مثبت کام کیا، ورنہ ان کے لوگوں نے تو کفرِ قادیانی کو بھی ایک فروعی مسئلہ سمجھا ہوا تھا کہ مرزا کی تکفیر نہ کرنے والے اہل علم کو یہ لوگ مسلمان قرار دیتے تھے۔

مگر حسام الحرمین کے فتویٰ کی عظمت کو سلام ہے کہ ''جس نے مرزا کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے''۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں رسالہ ''باب العقائد والکلام'' لکھا جو فتاویٰ رضویہ جلد اوّل میں موجود ہے، اس میں مرزائیوں پر سخت ردّ فرمایا گیا۔ پھر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں ''الجراز الدیانی علیٰ مرتد قادیانی'' لکھی۔ اہل سنت اکابر نے بعد میں بھی ان گنت کتابیں مرزا قادیانی کے ردّ میں لکھیں، ان میں پروفیسر محمد الیاس برنی رحمۃ اللہ علیہ کی ''قادیانی مذہب''، مولانا محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الکاویہ علی الغاویہ''، مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مقیاسِ نبوت'' اور مولانا مہرالدین جماعتی علیہ الرحمہ کی ''حیاتِ عیسیٰ'' بڑی مقبول ہوئیں۔ مولوی یوسف لدھیانوی دیوبندی اور مولوی عبدالغفور اثری غیر مقلد کی جماعتیں ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں اور نہ ہی ان حقائق کا یہ لوگ سامنا کر سکتے ہیں، انہیں کیا پتہ کہ حسام الحرمین کا فتویٰ کتنا قطعی اور کتنا وزنی ہے۔

اہل سنت کا فتویٰ کس قدر قطعی اور یقینی ہے، یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے، مگر دوسروں کے یہاں تضادِ فتویٰ اور کمزوریٔ فیصلہ کا حال اوپر بیان ہو چکا۔ فی زمانہ اس مسئلہ میں مخالفین بھی اہل سنت کے فتویٰ پر آ چکے ہیں۔ مگر امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ پر الزام تراشی کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ایک الزام یہ لگایا کہ مولانا احمد رضا خاں کے اُستاد مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، مرزا قادیانی کے بھائی ہیں، (خالد محمود دیوبندی کی کتاب ''مطالعۂ بریلویت'' ج ۱، ص ۵۰، ۱۹۵) (غیر مقلدین کے امام العصر احسان الٰہی ظہیر کی کتاب ''البریلویہ'' ص ۴۱)

حالانکہ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے اُستاد مکرم مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی (پ ۱۸۲۷ء۔ف ۱۹۱۷ء) ولد حکیم مرزا حسن جان بیگ لکھنوی، فاروقی النسب ہیں جو مدرسہ مصباح التہذیب کے پہلے مہتمم تھے، جب کہ مرزا قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر (۱۸۲۸ء۔۱۸۸۳ء) ولد مرزا غلام مرتضٰے قادیانی مغل برلاس تھا، جو دینا نگر ضلع گورداس پور کا معزول تھانیدار تھا۔ مرزا قادیانی کا بھائی جب مرا جب تک تو خود مرزا قادیانی بھی اہل حدیث اور دیوبندی علماء کی آنکھ کا تارا تھا۔ غیر مقلدین کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی اس کے نکاح خواں بننے کی سعادت حاصل کر رہے تھے اور دیوبندیوں کے شیخ المشائخ رشید احمد گنگوہی اُسے مردِ صالح کا تمغہ دے رہے تھے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان تو اس وقت مرزا غلام قادر قادیانی کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔ ایک الزام یہ لگایا کہ مولانا احمد رضا خاں نے کسی قادیانی کی شان میں کہا ہے کہ ''زاہد مسجد احمدی پر درود'' (دھماکہ، ص ۵۳۔ مطالعۂ بریلویت، ج ۱، ص ۳۱۶) حالانکہ ''حدائق بخشش'' میں نعتیہ ''لاکھوں سلام'' موجود ہے، یہ شعر حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھا گیا ہے، سیاق وسباق بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی دشمنی میں آکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قادیانی قرار دینا تاریخ کا ایک بدترین ظلم ہے۔

۲۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی کا جُرم

پس منظر یہ کہ صاحب تقویۃ الایمان نے دعویٰ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک آن میں چاہے تو کروڑوں نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۱۶) حالانکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کا اب بننا عقلاً محال ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اوّل الخلق، افضل الخلق، اوّل شافع، اوّل مشفع، سیّد المرسلین اور خاتم النبیّین ہیں اور ان میں سے کوئی فضل دو کو ملنا محال ہے۔ ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں شیخو پور ضلع بدایوں (یوپی۔ بھارت) میں مسئلہ امکان و امتناعِ نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سلسلے میں ایک مناظرہ ہوا۔ مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولوی امیر احمد سہسوانی فریقین کے مناظر تھے۔ اس کی روداد

مولوی محمد نذیر سہسوانی نے مناظرۂ احمدیہ کے نام سے شائع کی۔ اس میں اثر ابن عباس بھی پیش کیا گیا کہ زمینیں سات ہیں اور ہر زمین میں ہے نبی کنبیکم۔ بریلی کالج کے استاد مولوی محمد احسن نانوتوی بھی اس اثر کے ظاہر کے معتقد کی حیثیت سے سامنے آئے۔ انہوں نے ہی مولوی محمد قاسم نانوتوی کو سوال بھیجا، جس کے نتیجے میں کتاب "تحذیر الناس" ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۲ء میں وجود میں آئی۔ مولوی محمد احسن نانوتوی نے اسے بریلی سے ہی شائع کیا۔ مولانا عبدالقادر بدایونی کے شاگرد مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی نے ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء میں اس کا ردّ "تنبیہ الجہال بالھام الباسط المتعال" کے نام سے لکھا، اور دوسرے شاگرد مولوی فصیح الدین بدایونی نے ۱۸۷۵ء میں "قول الفصیح" کے نام سے اس کا ردّ لکھا۔ اس کا جواب مولوی قاسم نانوتوی نے "تنویر النبراس" (ردّ قول فصیح) کے نام سے دینے کی کوشش کی۔ تحذیر الناس کے مضامین پر دہلی میں مولوی قاسم نانوتوی کا مولانا محمد شاہ پنجابی سے مناظرہ ہوا۔ ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء میں بمبئی سے رسالہ "ابطالِ اغلاط قاسمیہ" شائع ہوا، جس میں مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا محبّ احمد بدایونی، مولانا فصیح الدین بدایونی، مولوی عبید اللہ امام جامع مسجد بمبئی وغیرہ کے دستخط مولانا عبدالغفار نے لیے۔

خالد محمود دیوبندی نے مطالعۂ بریلویت، ج ۳، ص ۳۰۰ پر لکھا ہے کہ "بعض عبارات سے لزوم ثابت کیا"۔ جب کہ محض "اثر ابن عباس" کے ظاہر کا معتقد ہونے پر مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے گم راہ کا فتویٰ دیا تھا۔ یہی فتویٰ رامپور سے دس مقتدر علماء نے بھی جاری کیا تھا، جن میں مولانا ارشاد حسین رامپوری اور مولانا عبدالحق خیر آبادی جیسے اکابر بھی شامل تھے۔ (تنبیہ الجہال) مولوی محمد احسن نانوتوی نے اسے فتوائے تکفیر بتلایا ہے۔ (کتاب مولانا محمد احسن نانوتوی، از پروفیسر محمد ایوب قادری، ص ۸۸)

بدایوں، بریلی، رام پور اور بمبئی کے علاوہ صورتِ حال یہ ہے کہ ۱۴ر ستمبر ۱۸۷۴ء/ ۱۲۹۱ھ کو قاسم نانوتوی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ "دہلی کے اکثر علماء نے (مولانا نذیر حسین محدث کے علاوہ) اس ناکارہ کے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور فتویٰ پر مہریں کرا کر علاقے میں اِدھر اُدھر مزید مہریں لگوانے کے لیے بھیج دیا ہے۔ اب خبر یہ ہے کہ وہ فتویٰ عنقریب عرب شریف

بھی پہنچے گا۔ اس رسالے کے عرب شریف بھیجنے کا ایک مقصد یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا رحمت اللہ اس کا مطالعہ فرمائیں اور ان کے ذریعہ سے عرب شریف کے علماء کی مہریں بھی اس فتویٰ پر ہو جائیں، اس علاقے کے احباب جواب کی امید کر رہے ہیں، مگر میں نے اپنے اسلام کو ننگ کفر سمجھ کر خاموشی کے علاوہ کوئی جواب نہیں دیا"۔ (قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، ص۹۔۳۰۸۔ از نور الحسن کاندھلوی)

تقدیس الوکیل میں ہے کہ "عرب وعجم کے اکابر علماء نے (تحذیر الناس کے) جواب اور ردّ لکھے اور نثر ونظم سے عمدہ طور پر اس مسئلہ کی تردید کی۔ من جملہ ان کے فتویٰ مکہ معظمہ کے مفتی مولانا عبدالرحمٰن سراج کا۔ اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بہشت میں اونچا کرے، جو قرآن و حدیث سے مستند ہے اور حرمین محترمین کے چاروں مذہبوں کے مفتیوں اور مدرسوں کی شہادتیں و تصحیح موجود ہے اور مصر کے مطبع منصوری میں واقعہ ۱۲۹۱ھ ۳۶ صفحوں پر چھپا ہے"۔

امروہہ کے مولانا عبدالعزیز امروہوی نے نانوتوی صاحب کا ردّ کیا تو مناظرۂ عجیبیہ میں نانوتوی صاحب نے کہہ مکرنی کا گر استعمال کیا۔ تھانہ بھون سے مولانا شیخ محمد تھانوی نے نانوتوی وغیرہ کی تردید میں "قسطاس فی موازنۃ اثر ابن عباس" لکھی۔

اس دور کا نقشہ "الافاضات الیومیہ" میں ۴ر ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کو تھانوی صاحب نے یوں بیان کیا کہ "جس وقت مولانا نے تحذیر الناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحئی صاحب کے"۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی کے اس فتوے کا ردّ خواجہ غلام فرید کے ملفوظات "مقابیس المجالس" حصہ سوم مقبوس نمبر ۶۳ پر بھی موجود ہے۔ یہ واقعہ ۴ر ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ کا ہے، جب خواجہ صاحب کو اثر ابن عباس کے بارے میں مولانا عبدالحئی لکھنوی کے خیالات معلوم ہوئے، تو قاسم نانوتوی کے نظریات کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ (ابطالِ اغلاطِ قاسمیہ کی اشاعت کے بعد مولانا عبدالحئی بھی موافق نہ رہے، قائل لزوم بن گئے)

کتاب "ارواحِ ثلاثہ" میں قاسم نانوتوی کے حالات میں حکایت نمبر ۲۶۵ میں ہے کہ اب مولانا نانوتوی باڈی گارڈ رکھتے تھے، چھپ کر رہتے، سفر کرتے تو نام تک بتانے کا حوصلہ

نہ رکھتے، خورشید حسین بتاتے، یہ کتاب مولانا نانوتوی کے لیے مصیبت بن گئی تھی۔

نانوتوی صاحب کو غصہ تھا کہ احسن نانوتوی نے تحذیر الناس کیوں شائع کردی، کہتے ہیں ”پر خدا جانے ان کو کیا سوجھی جو اس کو چھاپ ڈالا جو یہ باتیں سننا پڑیں“۔ (قاسم العلوم، از نور الحسن راشد کاندھلوی، ص ۵۵۰)

۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء میں قاسم نانوتوی بغیر توبہ کیے اسی خوف اور تنگی کے ساتھ مر کر مٹی میں مل گیا۔

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) کے بعد مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۰۰ھ میں کتاب ”الاسئلۃ الفاضلۃ علی الطوائف الباطلۃ“ لکھی اور ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں رسالہ ”اعلام الاعلام“ لکھا، جس میں تحذیر الناس کی دو تین عبارات کا ذکر کر کے قائلین کو بالقطع والیقین کافر مطلق قرار دیا۔ ۱۳۱۷ھ میں آپ نے ختمِ نبوت کے موضوع پر کتاب ”جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ“ لکھی، اس میں تحذیر الناس کی چھ مختلف عبارات نقل کیں اور ان کو ملعون و ناپاک شیطانی قول اور کفر ملعون قرار دیا، اور قائلین کو ضُلال قاسمانِ کفر و ضلال قرار دیا۔

۱۳۱۷ھ ہی میں آپ نے ”فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین“ مرتب فرمایا، جس میں سوال نمبر ۱۱ میں تحذیر الناس کی پانچ مختلف عبارتیں نقل کیں، پھر اسے کفر بواح اور ضلال فی الدین قرار دیا، اور ضروریاتِ دین کا انکار بتلایا، متعدد علمائے حرمین شریفین نے اس کتاب کی تقریظیں لکھیں۔

۱۳۲۰ھ میں ”المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد“ کے نام سے ”المعتقد المنتقد“ از مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا حاشیہ لکھا، اس میں قاسم نانوتوی کے کفریہ جملے تحذیر الناس سے درج کیے۔ تین سال بعد ۱۳۲۳ھ میں حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی بھی وہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ کی عظمت و احترام کا عالم دیدنی تھا۔ ”الدولۃ المکیہ“، ”کفل الفقیہ الفاھم“، ”الاجازت المتینہ“ کی یادیں روح پرور ہیں، اس موقع پر ”المعتمد المستند“ میں کی گئی تکفیر کی تصدیق بھی علمائے حرمین نے کی جو ”حسام

الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' کے نام سے طبع ہوئی، اس میں قاسم نانوتوی صاحب کی تحذیر الناس سے یہ عبارتیں شامل ہیں۔ '' بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور رہتا ہے۔ (تحذیر الناس، ص۱۸) '' بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا''۔ (تحذیر الناس، ص۳۴) '' عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں (بالذات) کچھ فضیلت نہیں۔ (تحذیر الناس، ص۴۔۵)

اس کے بعد ۱۳۲۵ھ میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے دیگر علماء دیو بند کے ساتھ سر جوڑ کر ۲۶ فرضی سوالات مرتب کر کے جواب لکھا جسے ''المھند علی المفند'' کا نام دیا۔ اس میں اپنی تحریروں سے یہ لوگ مکر گئے اور اہل سنت کی بولی بولنے لگے۔ اس کتاب میں حسام الحرمین میں موجود متنازعہ فیہ عبارات کے مضمون پر حکمِ کفر میں اتفاق کیا تو یہ بھی دراصل حسام الحرمین کی ہی تائید و تصدیق ہوئی۔ رہ گئی ان کی کہہ مکرنی اور جھوٹ تو کتابیں موجود ہیں، اُردو میں چھپی ہیں اور ہر اہل زبان دیکھ سکتا ہے، اور لطف یہ کہ خود دیو بندی حضرات نے ایک محرف رسالہ ''غایۃ مامول'' شائع کیا ہے، اس میں مولف رسالہ شیخ برزنجی کے علاوہ پندرہ عرب علماء تصدیق کرنے والے ہیں، اس میں بھی تحذیر الناس، براہینِ قاطعہ اور حفظ الایمان کی تکفیر موجود ہے۔ (الشھاب الثاقب مع غایت المامول، مطبوعہ لاہور، ص۲۹۷۔۲۹۹) یہ پندرہ تصدیقیں حسام الحرمین کے علاوہ ہوئیں۔

اس کتاب المھند کے جھوٹ دیکھنے ہوں تو صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی کتاب ''التحقیقات'' دیکھی جائے یا پھر مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کی کتاب ''ردّ المھند'' کا مطالعہ کیا جائے۔ حسین احمد مدنی نے ''الشھاب الثاقب'' لکھی، جس کا تجزیہ مولانا مفتی محمد اجمل سنبھلی علیہ الرحمہ نے '' ردّ شہاب ثاقب'' کے نام سے لکھا، مولوی خلیل احمد اور مولوی حسین احمد نے تحذیر الناس کی متنازعہ عبارات کا ذکر تک نہ کیا بلکہ ان سے مکر گئے اور خلاصہ کے نام سے اپنی طرف سے من گھڑت کلام پیش کیا۔ البتہ مرتضیٰ حسن دربھنگی

چاند پوری نے اپنے رسائل میں اور منظور نعمانی نے اپنی کتاب ''فیصلہ کن مناظرہ'' میں اور سرفراز صفدر نے ''عباراتِ اکابر'' میں اور خالد محمود نے ''مطالعۂ بریلویت'' میں اصل عبارات کا ذکر کیا ہے مگر صرف الزامِ خیانت دینے کی خاطر، ورنہ متنازعہ عبارات کی تشریح کی بجائے وہی خلاصہ کے نام سے من گھڑت کلام پیش کردیا جاتا ہے۔

اپنے دفاع میں ان لوگوں نے اب تک یہ کہا ہے کہ

(پہلا اعتراض) مولانا احمد رضا خاں نے اردو نہ جاننے والے عربی علماء کو دھوکا دینے کے لیے تحذیر الناس کی تین متفرق عبارتوں کو اس طرح جوڑا ہے کہ کفریہ معنی پیدا ہوگیا ہے۔ (دوسرا اعتراض) اور یہ کہ'' تاخرِ زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں'' کا ترجمہ ''لافضل فیہ اصلا'' کیا ہے، بالذات کا ترجمہ نہیں کیا گیا ورنہ اس قید سے فضیلت بالعرض ثابت ہوتی۔ (تیسرا اعتراض) اور یہ کہ مولانا نانوتوی خاتم النبیین کے معنی ''آخری نبی'' میں منحصر کرنے کے خلاف ہیں، کہ صرف اور صرف یہی معنی ہے اور کچھ نہیں۔ (چوتھا اعتراض) اور یہ کہ مولانا خاتمیتِ زمانی کے قائل ہیں اور اس کا انکار کفر سمجھتے ہیں، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ تحذیر الناس کی متنازعہ عبارات برحق ہیں۔

اس سلسلے میں پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عربی علماء تو اردو سے بے خبر تھے، تیس سال سے جو بدایوں، بریلی، رامپور، لکھنؤ، بمبئی، دہلی، پنجاب اور پورے ہندوستان بھر کے علماء تحذیر الناس کے خلاف فتوے دے چکے تھے (جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا) کیا وہ بھی اردو سے بے خبر تھے؟ کیا انہیں بھی مولانا احمد رضا خان نے ہی تین متفرق عبارتوں کو جوڑ کر کوئی اور تحذیر الناس بنا کر پیش کی تھی؟ پھر کیا عربی علماء تکفیر جیسے مسئلہ پر اتنے متساہل تھے کہ اصل کتاب کا ترجمہ بھی کسی معتمد مترجم سے نہ کروا لیتے؟ کیا شیخ الدلائل مولانا عبدالحق الہ آبادی کو بھی اردو نہ آتی تھی؟، پھر ۱۳۴۵ھ میں مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے ''الصوارم الہندیہ'' شائع کی، جس میں ۲۶۸ اُردو داں علماء کرام سے حسام الحرمین کے فتووں کی تائید میں فتوے شائع کیے گئے۔ لہٰذا اسلامی ٹکڑے جوڑ کر کفریہ عبارت بنانے کا اعتراض بالکل لغو ہے۔ متنازعہ عباراتِ تحذیر الناس میں ہر عبارت مکمل مفہوم دیتی ہے اور مستقل کفریہ ہے۔ یہ

تینوں عبارات تین علیحدہ علیحدہ کفر ہیں، تین کفریہ عبارات کو جمع کرنے کے لیے ترتیب کی کیا ضرورت ہے؟

دوسرے اعتراض کے سلسلے میں عرض ہے کہ (مَیں بالذات کچھ فضیلت نہیں) کا ترجمہ (لا فضل فیہ اصلا) درست ہے، کیونکہ تحذیر الناس صفحہ ۱۳ پر ہے کہ "موصوف بالعرض موصوف بالذات کے فرع ہوتے ہیں، موصوف بالذات اوصافِ عرضیہ کا اصل ہوتا ہے۔" لہٰذا "بالذات" کا ترجمہ "اصلا" کرنا درست ہے۔ نیز صاحب تحذیر اگر مقامِ مدح میں بالعرض فضیلت ہی کا قائل ہوتا تو یہ اعتراض نہ لکھتا کہ "پھر مقامِ مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے" (تحذیر الناس ص ۵) نیز یہ کہ صاحبِ تحذیر نے اپنے مکتوب میں تو بالذات کی قید خود ہی اُڑا دی ہے، لکھتا ہے کہ "خاتم النبین کے معنی سطحی نظر والوں کے نزدیک تو یہی ہیں کہ زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ انبیاء کے زمانے سے آخر کا ہے اور اب کوئی نبی نہیں آئے گا مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تو تعریف (مدح) ہے اور نہ کوئی برائی"۔ (انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم ص ۷۸۔۷۹) اب کون کہے کہ نانوتوی صاحب نے بھی اپنی بات میں خیانت کی ہے؟

تیسرے اعتراض کے سلسلے میں عرض ہے کہ نانوتوی صاحب نے لکھا ہے کہ "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم"۔ نانوتوی کے کلام میں حصر کا کوئی کلمہ موجود ہی نہیں ہے۔ اگر وہ لکھتے کہ "بایں معنی ہی ہے" یا "فقط بایں معنی ہے" یا "صرف بایں معنی ہے" تو حصر کا دعویٰ ہوسکتا تھا، مگر اب اس کے پرستاروں کا یہ دعویٰ کہ عبارت میں حصر ہے، قطعاً جھوٹ ہے اور طفلِ تسلّی سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پھر نانوتوی صاحب نے اہل فہم (عقل مندوں اور دانشوروں) کی نمائندگی کرتے ہوئے جو اعتراضات کیے ہیں وہ سارے کے سارے آخری نبی ہونے پر ہیں نہ کہ حصر پر۔ مزید یہ کہ خاتم النبین کا مسنون ومتواتر وقطعی واجماعی معنی وتفسیر صرف اور صرف فقط آخری نبی ہی ہے اور اس معنی پر

اعتراضات کر کے کوئی نیا معنی ایجاد کرنا یقیناً تفسیر بالرائے کے زُمرہ میں آتا ہے۔ یقیناً ایسے کودک نادان کا ''بقول خود'' اسلام برائے نام ہے۔

رہ گیا چوتھا اعتراض کہ متعدد عبارات نانوتوی سے ثابت ہے کہ وہ خاتمیتِ زمانی کے قائل ہیں اور خاتمیتِ زمانی کے انکار کو کفر سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ نانوتوی صاحب کی عبارات میں یہاں تضاد پایا جاتا ہے کہ وہ خاتمیتِ زمانی مانتے بھی ہیں اور نہیں بھی مانتے۔ تحذیر الناس کے ابتداء ہی میں خاتمیتِ زمانی ماننے کی قباحتیں وہ یوں بیان کرتا ہے کہ '' اگر اس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہیے اور اس مقام کو مقامِ مدح قرار نہ دیجیے تو البتہ خاتمیت باعتبار تأخرِ زمانی صحیح ہو سکتی ہے، مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارہ نہ ہوگی''۔

اس صورت میں وہ خداتعالیٰ کے لیے زیادہ گوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نقصانِ قدر اور کلامِ خدا میں بے ربطی کے اعتراضات سے ڈراتا ہے تاکہ خاتمیت باعتبار تأخرِ زمانی کا قول صحیح نہ مانا جائے۔ اتنی قباحتوں اور گستاخیوں سے آلودہ کر کے خاتمیتِ زمانی کو وہ بالفرض مانا بھی تو کیا مانا؟ بلکہ قاسم نانوتوی تو خاتمیتِ زمانی کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق ہی نہیں سمجھتا، ملاحظہ ہو تحذیر الناس ص ۱۱ پر وہ لکھتا ہے کہ ''شایانِ شان محمدی صلعم خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی''۔ اسی طرح تحذیر الناس ص ۳۳-۳۴ پر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت کا اپنا موقف پیش کر کے لکھتا ہے کہ ''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا''۔ اگر نانوتوی خاتمیتِ زمانی کا قائل ہوتا تو لکھتا کہ '' خاتمیتِ محمدی میں ضرور فرق آئے گا''۔ حالانکہ تحذیر الناس ص ۱۱ پر خود لکھ چکا تھا کہ '' ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض (یعنی نبی بالذات ماننے) کو تأخرِ زمانی لازم ہے'' لازم اوپر باطل ہو چکا تو ملزوم بھی باقی نہ رہا۔ معاذاللہ۔ یونہی تحذیر الناس ص ۵ پر لکھا ہے کہ '' موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوتا ہے''۔ اور تحذیر الناس ص ۱۷ پر لکھتا ہے کہ ''وصفِ ایمانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بالذات ہو اور مومنین میں بالعرض''۔ اگر نبی بالذات ماننے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننا

لازم آتا تھا تو نانوتوی پرست ان مذکورہ دو عبارتوں کو سامنے رکھ کر بتلائیں کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومن بالذات ماننے سے لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری مومن ہیں اور آپ کے بعد کوئی بھی مومن نہیں ہے معاذ اللہ۔ چلیے اب خاتم النبین کے معنیٔ مسنون و متواتر و قطعی و اجماعی کو عامیانہ خیال قرار دینے والے نام نہاد اہل فہم کی بے ایمانی ان کی اپنی کتاب سے ہی لازم آرہی ہے، کہیے اب حسام الحرمین کی کیا شکایت ہے؟

نبوت بالذات کے ساتھ ساتھ ایمان بالذات کا قول بھی تحذیر الناس میں ہی موجود ہے۔ قاسمی صاحبان خود ہی انصاف کریں اور آپ ہی فیصلہ دیں کہ بانیٔ دیوبندیت نے یہ کیا لکھا ہے؟ متنازعہ فیہ عبارات کو تو المہند والے نے پیش ہی نہیں کیا تھا بلکہ خود ایک فرضی خلاصہ بنا کر پیش کیا۔ پورے مکہ معظمہ میں صرف ایک ہی مکی عالم نے المہند کے صرف انہی فرضی مضامین کی تائید کی۔ (دوسرا خان نواب، تیسرا مہاجر اور چوتھا افغانی تھا، دیگر دو نے رجوع کرلیا مگر پھر بھی ان کی تائید المہند میں شامل ہے)۔ مدینہ منورہ میں دو عالموں نے صرف انہی فرضی خلاصوں کی تائید کی۔ مگر ساتھ ساتھ ایک نے مسئلہ امکانِ کذب جاری کرنے پر ان کو ڈانٹا اور دوسرے نے میلاد شریف اور اختیاراتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے ان کا رد کیا۔ علمائے ازہر نے بھی میلاد شریف کے حوالہ سے دیوبندی موقف کو مردود ٹھہرایا۔ لہٰذا المہند سے حسام الحرمین کا جواب نہ ہوا بلکہ متنازعہ عبارات چھپا کر ایک اعتبار سے تائید ہوئی ہے۔

دیوبند ہی سے مکتبہ راشد کمپنی نے تحذیر الناس شائع کی تو عبارت یوں بدل دی کہ "اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیتِ محمدی میں فرق نہ آئے گا"۔ (پیدا ہو) کی جگہ (فرض کیا جائے) لکھا گیا مگر اصل کفر پر نظر نہ جا سکی۔ اگر (فرق نہ آئے گا) کی جگہ (فرق آئے گا) لکھتے تو اس عبارت سے کفر ختم ہو سکتا تھا، مگر یہ تو بزعم خویش اہل فہم ہیں۔ ان کو کون سمجھائے؟

مناظرین دیوبندیت جتنی چالیں چلیں مگر قاسم نانوتوی کے پوتے قاری طیب صاحب نے پوری دلیری کے ساتھ اپنے دادا کی تعلیم کو واضح کیا ہے کہ "ختم نبوت کا یہ معنی لینا کہ

نبوت کا دروازہ بند ہو گیا، یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے ...... ختم نبوت کے معنی قطع نبوت کے نہیں بلکہ کمالِ نبوت اور تکمیل نبوت کے ہیں"۔ (خطباتِ حکیم الاسلام، ج۱، ص۴۷) جب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی۔" (ترمذی شریف) قاری طیب نے مزید لکھا ہے کہ "حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا نبی ہو گیا"۔ (آفتابِ نبوت۔ص۱۹) اس پر دیوبند ہی سے عامر عثمانی کو لکھنا پڑا کہ "حضرت مہتمم صاحب نے حضور کو نبوت بخش کہا تھا، مرزا صاحب نبی تراش کہہ رہے ہیں حرفوں کا فرق ہے معنی کا نہیں"۔ (تجلی نقد و نظر نمبر، ص۷۸) قاسم نانوتوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبوت بالذات اور باقی انبیاء کے لیے بالعرض نبوت کا قول کیا یعنی باقی انبیاء کے لیے ظلی نبوت کا قول کیا، وہ لکھتا ہے کہ "غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکسِ محمدی ہے کوئی کمالِ ذاتی نہیں"۔ (تحذیر، ص ۳۸) مولوی انور شاہ کشمیری نے نبوت بالذات اور بالعرض کی تقسیم کو قرآن پر زیادتی اور محض اتباعِ ہوا قرار دیا ہے (یعنی خواہشِ نفسانی کی پیروی)۔ (خاتم النبیین، ص ۳۸) اور آپ نے "عقیدۃ الاسلام" ص۲۰۶ پر اس تقسیم کو ناجائز قرار دیا ہے۔ "فیض الباری، ج۳، ص۳۳۳ پر انہوں نے نانوتوی کی تشریح اثر ابن عباس کو خلافِ قرآن ظاہر کیا ہے، اور نانوتوی پر مالیس لک بہ علم (جس چیز کا تجھے علم نہیں) میں دخل دینے کا طعن کیا ہے۔ دیوبندی مناظر محمد امین صفدر اوکاڑوی نے تجلیاتِ صفدر، ج۲، ص۵۹۲ پر لکھا ہے کہ "اگر کوئی کہے کہ مَیں آپ کو خاتم النبیین تو مانتا ہوں مگر خاتم النبیین کا معنی نبی گر ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہریں لگا لگا کر نبی بنایا کرتے تھے، تو یہ بھی کفر ہے"۔

دیوبندیوں کے بھائی غیر مقلدوں کو بھی اب ہوش آگیا ہے، چنانچہ مولوی یحییٰ گوندلوی غیر مقلد نے "مطرقۃ الحدید" میں اور مولوی عبدالغفور اثری غیر مقلد نے "حنفیت اور مرزائیت" ص۱۴۰۔۱۴۱ پر تحذیر الناس کی عبارت کو مرزائیت (کفر) بتلایا ہے۔ سید طالب الرحمٰن (مناظر غیر مقلدین) نے بھی تحذیر الناس کے خلاف یہی فتویٰ دیا ہے۔ (عقائد علماء

دیوبند، ص ۷۶) جب کہ ثناء اللہ امرتسری سے لے کر احسان الٰہی ظہیر تک یہ لوگ قاسم نانوتوی کے معتقد تھے۔

''عباراتِ اکابر'' از مولوی سرفراز صفدر اور ''مطالعۂ بریلویت'' از خالد محمود میں ہے کہ بعض علماء کرام اور مشائخ عظام نے مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ کی تعریف کی ہے بلکہ خواجہ قمرالدین سیالوی اور پیر محمد کرم شاہ صاحب نے تحذیر الناس کی بھی تعریف کی ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ آپ لوگ تو کہا کرتے تھے کہ ''حجت قول وفعلِ مشائخ سے نہیں ہوتی''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۱۷) آج کس منہ سے ان کا نام لے رہے ہیں۔ مزید عرض ہے کہ ان کی تعریف کرنے والوں نے کفریہ عبارات سے بے خبری وغفلت کی حالت میں محض حسنِ ظن کے طور پر تعریف کی ہوگی، جیسے قیامت کے دن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم غلبۂ رحمت میں بعض لوگوں کو اپنے اُمتی اور اپنے صحابی کہیں گے مگر پھر جب فرشتے ان کے کفر و ارتداد کی طرف متوجہ کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو دھتکار دیں گے۔ چنانچہ جب خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو کتاب تحذیر الناس پیش کی گئی تو آپ نے قاسم نانوتوی کی تکفیر کردی۔ (دعوتِ فکر، ص ۱۱۰۔ ۱۱۱) پیر کرم شاہ صاحب کو ۱۹۶۴ء میں مغالطہ دیا گیا، انہوں نے غلط فہمی کا شکار ہوکر کتاب کی تعریف کردی، پھر ماہنامہ ضیائے حرم، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے ص ۴۹ پر انہوں نے اس بات پر ندامت و افسوس ظاہر کیا ہے۔ (الندم التوبہ) اسی شمارہ کے ص ۵۳ پر انہوں نے امام اہل سنت کے فتوے (حسام الحرمین) کی ''بے لاگ تنقید'' کے الفاظ سے تائید کی۔ اور ص ۴۴ پر نانوتوی کی عبارت کو خاتم النبین کے اجماعی مفہوم کے مخالف قرار دیا اور صحابۂ کرام کو زمرۂ عوام میں شمار کرنے اور اہل فہم سے خارج کرنے کی جسارت کی طرف متوجہ کیا۔ ص ۴۶ پر لکھا کہ ''ان احادیثِ قطعیہ کے مقابلہ میں اپنی طرف سے ایک تفسیر کا اضافہ ایک اچنبھا ہے''۔ آگے خاتمیت بمعنی تأخر زمانی لینے پر اعتراضات کو ایک طرفہ تماشہ قرار دیا، یہاں اچنبھا اور طرفہ تماشہ کے الفاظ مفتی کی زبان نہیں بلکہ ادیب اور مصلح کی زبان کہے جاسکتے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں سورۃ طلاق کی تفسیر لکھتے ہوئے اثر ابن عباس کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا تھا۔ (تفسیر ضیاء القرآن، ص ۳۰۸۲) اور تحذیر الناس کی

بنیاد ہی اُڑا دی۔ ۱۹۷۱ء میں سورۃ احزاب کی تفسیر میں صراحۃً لکھا کہ خاتم النبیین کا معنی آخرالنبیین ہے، یہاں فقط یہی مراد ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ص۲۱۵۱) پیر کرم شاہ صاحب نے نانوتوی کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے، مگر مفتی کی بجائے ادیب کے رنگ میں لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مطالعۂ بریلویت کے مصنف کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ آخر کار پیر کرم شاہ صاحب نے سابقہ موقف چھوڑ کر دیوبندی حضرات کو تکفیر کا صدمہ پہنچایا ہے۔ (مطالعۂ بریلویت ج۱، ص۴۱۴) تو پھر ان کا سابقہ موقف بیان کرتے رہنا طفل تسلی نہیں تو اور کیا ہے؟ باقی حضرات کے سلسلہ میں عرض ہے کہ عمومی قاعدہ ہے کہ تعدیل مبہم پر جرح مفسر کو ترجیح ہوتی ہے اور مخالف متعصب کی جرح مبہم کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے اگرچہ ابتداء میں اختلاف کیا مگر کتاب ''الطاری الداری'' کے بعد انہوں نے اپنے سابقہ امور سے توبہ کرتے ہوئے امام احمد رضا کے فتوائے تکفیر سے اتفاق کرلیا۔ (اخبار ہمدم لکھنؤ ۲۰رمئی ۱۹۲۱ء) یونہی مولانا معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ نے ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں مولانا حامد رضا خاں سے خط و کتابت میں حسام الحرمین کی تائید کی۔ (محدث اعظم از مولانا جلال الدین قادری، ج۱ ص۱۰۸۔ ۱۱۱) مولانا عبدالحیٔ لکھنوی وغیرہ نے ''ابطالِ اغلاط قاسمیہ'' میں نانوتوی پر کفر آنے کا قول کیا ہے۔ (مطالعۂ بریلویت ج۳ ص۳۰۰ وغیرہ) علمائے رامپور نے نانوتوی پارٹی کی تضلیل و تکفیر کا فریضہ ابتداء ہی میں انجام دے دیا تھا۔ (مولانا محمد احسن نانوتوی ص۸۸) سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کے والد گرامی مولانا معین الدین نزہت علیہ الرحمہ پہلے قاسم نانوتوی کے مرید تھے، حقیقت آشنا ہوئے تو امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مرید ہوئے اور کہا ؎

پھرا ہوں میں اس گلی سے نزہتؔ ☆ ہیں جس میں گمراہ شیخ و قاضی

۱۵رشوال ۱۳۵۲ھ کو مسجد وزیر خاں لاہور میں مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کا مولوی اشرف علی تھانوی سے عباراتِ متنازعہ پر فیصلہ کن مناظرہ طے پایا۔ مولانا حامد رضا خاں لاہور میں موجود رہے لیکن مولوی اشرف علی نہ آیا، اس موقع پر علامہ اقبال مرحوم نے دیوبندیوں کی متنازعہ عبارات سن کر کہا ''مولانا یہ ایسی عبارات گستاخانہ ہیں، ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں

ٹوٹ پڑتا، ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑ جانا چاہیے"۔ (دعوتِ فکر، ص ۳۵۔۱۰۶) ۲۷/اگست ۱۹۷۹ء کو جھنگ شہر میں مناظرہ ہوا، مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب نے مولوی حق نواز جھنگوی دیوبندی کو شکست دی، منصفین نے فیصلہ دیا کہ دیوبندی گستاخِ رسول ہیں۔ منصف پروفیسر تقی الدین انجم سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج جھنگ نے دیوبندیوں کی گستاخانہ عبارات سنیں تو رو پڑے۔ دیوبندیوں کے ماہر بریلویت، مصنف "رضا خانی مذہب" وغیرہ، مولانا سعید احمد قادری بھی طویل بحث مباحثے کے بعد اپنی دیوبندیت سے تائب ہوکر بریلوی بنے۔

یہاں ایک شبہہ بھی زائل کردیا جائے کہ نبی کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی میں فرق ہے، اصطلاحِ شرع میں قطعی امر و نہی کے ساتھ مخاطب کرنا ہی تشریع ہے عام اس سے کہ وہ امر و نہی قدیم ہو یا جدید۔ شریعت و نبوت میں کچھ فرق نہیں، تشریعی نبوت دراصل اصطلاحی نبوت کو کہا گیا ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے غیر تشریعی نبوت کے لفظ جو بعض حضرات نے بولے ہیں (مثلاً شیخ اکبر کی فتوحاتِ مکیہ، محدث طاہر کی تکملہ مجمع البحار، امام شعرانی کی الیواقیت والجواہر، عبدالکریم جیلی کی الانسان کامل، شاہ ولی اللہ کی تفہیمات، علی قاری کی موضوعاتِ کبیر، عبدالحئی لکھنوی کی دافع الوسواس، اور صدیق حسن بھوپالی کی اقتراب الساعۃ) تو اس سے مراد مبشرات و فیوض و برکات ہیں، ان حضرات کے کلام کو محمدیہ پاکٹ بک از محمد عبداللہ معمار غیر مقلد، ص ۴۴۴ پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ "اولیاء امت کا نام انہوں نے غیر تشریعی نبوت مان رکھا ہے لکل ان یصطلح"۔ لیکن مولوی عبدالغفور اثری غیر مقلد مصنف "حنفیت اور مرزائیت" کو یہ بات کون سمجھائے؟

ناظرین کی دلچسپی کے لیے عرض ہے کہ سوانح قاسمی کے دیوبندی مصنف نے اعتراف کیا ہے کہ نانوتہ کا معنی جدید پیغام ہے۔ (سوانح قاسمی ج۱، ص۵۴) اور یہ کہ نانوتہ کا منحوس ہونا زبانِ خلق پر تھا۔ (سوانح قاسمی ج۱، ص۵۳) چنانچہ امت مسلمہ نے نانوتہ کی نحوست کے سبب مذکورہ جدید پیغام سنا۔ مزید برآں یہ کہ نانوتوی صاحب "تصفیۃ العقائد" میں کہتے ہیں کہ دروغ صریح (ناقابل تاویل جھوٹ) کی کئی قسمیں ہیں، ہر قسم سے انبیاء کا معصوم ہونا ضروری نہیں۔ اس جدید پیغام پر دیوبند ہی سے فتوائے کفر جاری ہوا۔ (ماہنامہ تجلی، دیوبند،

اپریل ۱۹۵۶ء) نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب "آبِ حیات" میں جدید پیغام دیا کہ انبیاء کرام کی موت کے وقت ان کی روح بدن سے ایک لمحہ کے لیے بھی جدا نہیں ہوتی۔ (تو پھر موت کا کیا معنی رہا؟) اور پھر مزید اسی کتاب میں جدید پیغام دیا کہ دجّال بھی متصف بحیاتِ بالذات ہے۔ پھر نانوتوی صاحب نے "قصائدِ قاسمی" میں ایک جدید پیغام دیا کہ اگر مدینہ شریف کا کتا کفر پر مرے ہوئے ابلیس کی لاش کو چھو لے تو پھر بہشت بریں میں ابلیس کا مزار بنانا ہم دیوبندیوں کی ذمہ داری ہے۔ (جو مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہ کرام کے مزارات شہید کرنے کی تائید کر چکے ہیں) شعر ملاحظہ ہو ؎

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اس کی نعش
تو پھر خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

سنبھل (ضلع مرادآباد) کے دیوبندیوں نے اس شعر کو کفر قرار دیا ہے، مگر دیوبند میں اس شعر کا دفاع کیا جا رہا ہے۔ (تحقیقات از مفتی شریف الحق امجدی، ص ۲۴۷) شیطان کا مزار بنانے کا یہ جذبہ آخر کسی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ ویسے سوانح قاسمی کے مصنف نے "دیو (شیطان) کے باندھنے کا ذریعہ واقعی کا نام دیوبند بتایا ہے"۔ (سوانح قاسمی، ج۱، ص ۱۷۹) اوپر کے جدید پیغاماتِ نانوتہ بھی واضح کر رہے ہیں کہ شیطان جس سے لوگوں کو اپنے ساتھ مقرون کرتا اور باندھتا ہے، اس قرن الشیطان پھندے اور ٹریپ کا نام کیا ہے؟ ہم ناظرین کو یاد دلاتے چلیں کہ ۱۸۷۰ء میں برطانیہ میں جو خفیہ منصوبہ بنا تھا اس میں ایک ظلی نبی تیار کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس کے دو سال بعد ۱۸۷۲ء میں ظلّی اور بالعرض نبی کا نظریہ لے کر تحذیر الناس نمودار ہوئی تھی۔ نانوتوی صاحب بعد ازاں سات آٹھ سال زندہ رہے۔ اس دوران دعویٰ کیا گیا کہ ثقلِ وحی بوقت نزولِ وحی کی کیفیت نانوتوی پر بھی ہوتی ہے۔ (سوانح قاسمی ج۱، ص ۲۵۹) اور آخرکار مکاشفے کے زور پر دعویٰ کیا گیا کہ نانوتوی کی قبر عین کسی نبی کی قبر میں واقع ہے۔ (مبشراتِ دارالعلوم ص ۳۶) اور خواب میں باری تعالیٰ کا گودنشین ہونے کا دعویٰ بھی کیا گیا۔ (سوانح قاسمی ج۱، ص ۱۳۲) لیکن نانوتوی صاحب نے ایک بڑا عجیب وغریب دعویٰ کیا کہ "میں بے حیا ہوں اس لیے وعظ کہہ لیتا ہوں"۔ (سوانح قاسمی

ج ا، ص ۳۹۹) اس سے دیوبندی خطیبوں اور واعظوں کو بھی سبق سیکھنا چاہیے۔

۳۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کا جرم:

پسِ منظر وہی تقویۃ الایمان ص ۱۶ کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک آن میں چاہے تو کروڑوں نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔ اس کے جواب میں علاّ مہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (پ ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء۔ ف ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) نے ۱۲۴۰ھ میں ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' لکھی، جس میں آخری نبی کے بعد اب کروڑوں آخری نبی ممکن ماننے کو امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کے مترادف ٹھہرایا گیا، اٹھارہ علماء نے کتاب کی تصدیق کی۔ آپ نے اس مسئلہ پر کتاب ''امتناع النظیر'' بھی لکھی۔ صاحب تقویۃ الایمان نے رسالہ ''یکروزی'' میں لکھا کہ ہم نہیں مانتے کہ خدا کا جھوٹ بولنا محال ہو۔ ۱۳۰۰ھ میں فتویٰ ''جامع الشواھد'' چھپا، جس میں وہابیہ کا پہلا عقیدہ ہی یہی لکھا گیا کہ وہ خدائے پاک کا جھوٹ بولنا ممکن کہتے ہیں۔ (فتح المبین ص ۴۴۰، دیوبندی مناظر امین صفدر اوکاڑوی کی کتاب تجلیاتِ صفدر ج ا، ص ۲۔ ۶۲۱، اور مجموعۂ رسائل ج ۳، ص ۹۸ میں فتح المبین کی تائید و حمایت موجود ہے مع علمائے حرمین شریفین کی تائید کے) ۱۳۰۲ھ میں ''انوارِ ساطعہ'' لکھی گئی تو اس میں اسی امکانِ کذب کے دھبّہ کا ذکر کیا گیا۔ ۱۳۰۴ھ میں رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی نے کتاب ''براہینِ قاطعہ'' لکھی تو اس میں امکانِ کذبِ باری کو قدیم علمائے اسلام کے درمیان مختلف فیہ قرار دے کر طعن کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ (براھین قاطعہ، ص ۲)

دیوبندیوں کے اس امکانِ کذب کے مسئلے کا ردّ کئی حضرات نے کیا مثلاً مولوی محمد بن عبدالقادر لدھیانوی نے ''تقدیس الرحمٰن عن الکذب والنقصان'' لکھی۔ (فتاویٰ قادریہ ص ۹۴۔ ۱۴۱) مولانا احمد حسن کانپوری علیہ الرحمہ نے رسالہ ''تنزیہ الرحمٰن عن شائبۃ الکذب والنقصان'' لکھا، اس پر مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا عبداللہ ٹونکی نے تقریظ لکھی، مولانا عبداللہ ٹونکی نے اپنا رسالہ ''عجالہ الراکب فی امتناع کذب الواجب'' ۱۳۰۸ھ میں شائع کیا۔

مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے ۱۳۰۷ھ میں رسالہ ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' لکھا۔ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں مناظرہ بہاول پور میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا تو علماء دیو بند نے امکانِ کذبِ باری کے علاوہ باری تعالیٰ کے لیے چوری و شراب خوری و جہل وظلم کا امکان بھی تسلیم کرلیا۔ (تذکرۃ الخلیل، ص۱۴۶) (حالانکہ چوری اس چیز کی کی جاتی ہے جو اپنی ملکیت نہ ہو بلکہ دوسرے کی ملکیت ہو، چوری کا امکان مان کر ایک خدا سے زائد خدا مان لیے گئے، شراب خوری کا امکان مان کر خدا کو کھُلا جسم اور شخص مانا گیا، جہل کا امکان مان کر اللہ کا علم ممکن مانا۔ بلغۃ الحیران، ص۳ پر اللہ کا علمِ غیب بمعنی قدرت علی الغیب لیا گیا۔ تقویۃ الایمان میں ہے کہ خدا جب چاہے غیب دریافت کرلیتا ہے، حتیٰ کہ دیوبندی شیخ الہند مولوی محمود حسن نے لکھا کہ ''ہم بے شک کذب اور دیگر قبائح کو فی نفسہٖ ممکن و مقدور تسلیم کرتے ہیں'' الجہد المقل، ج۱ص۸۵۔) وما قدروا اللہ حق قدرہ۔

ہمارے حضرت غزالیٔ زماں امام اہل سنت، حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۸۶ء) نے تیرہ سال کی عمر میں رسالہ ''تسبیح الرحمٰن عن الکذب النقصان'' تحریر فرمایا۔ آج تک کوئی مخالف اس کا جواب نہ دے سکا۔ کتابی شکل میں کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے، ماہنامہ السعید ملتان، شمارہ فروری ۱۹۹۷ء میں یہ پورا رسالہ موجود ہے۔ اسی شمارہ کے صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۴۳ء میں دیوبندیوں نے بہاول پور کے علاقہ اوچ میں جب حضرت پر قاتلانہ حملہ کیا تو اس وقت بھی حضرت اسی کذب کے مسئلے کا ردّ فرمارہے تھے، تو گویا آپ نے اللہ پاک کی سچائی ثابت کرنے کے لیے قلم ہی نہ چلایا بلکہ خون کا نذرانہ بھی دیا۔

امکانِ کذبِ باری کے ثبوت کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے گئے، اس کوشش میں انہیں عجیب سوجھی کہ امکانِ کذب کو ان لوگوں نے خلفِ وعید کے مترادف قرار دے ڈالا۔ (قیامت کے دن گناہ گاروں کی بخشش سے وعیدوں کے بظاہر خلاف ہوگا، یاد رہے کہ عفو و مغفرت کی آیات نے آیاتِ وعید کو مخصوص و مقید کردیا ہے۔) چنانچہ براھین قاطعہ، ص۲ پر ہے کہ ''امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قُدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلفِ وعید آیا جائز ہے یا نہیں''۔ حالانکہ خلفِ وعید کو جو قدماء کذب مانتے ہیں وہ سرے

سے اس کے امکان کے قائل نہیں ہیں اور جو قدماء اسے کذب نہیں مانتے محض کرم نوازی مانتے ہیں وہ صرف اس کے امکان کے قائل نہیں بلکہ اس کے وقوع کے قائل ہیں۔ یعنی خلفِ وعید کے امکان میں نہیں بلکہ وقوع میں اختلاف ہے، لہٰذا اگر خلفِ وعید پر امکانِ کذب کو قیاس کیا جائے گا تو پھر وقوعِ کذب لازم آئے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بے شمار گناہ گاروں کی مغفرت فرمائے گا۔ رشید احمد گنگوہی نے براھین قاطعہ میں امکان کذب کے مسئلے کو خلف وعید کے مترادف قرار دے کر بظاہر تو امکانِ کذبِ باری مانا ہے، مگر حقیقت میں اس نے وقوع کذب باری ہی مانا ہے۔ چنانچہ ۱۳۰۸ھ میں مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب سے سوال ہوا کہ ایک شخص وقوعِ کذبِ باری کا قائل ہے، آیت (جو مومن کو عمداً قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے) کا مقابلہ آیت (بے شک اللہ شرک کی مغفرت نہیں کرتا اور اس کے نیچے سب گناہ بخش دیتا ہے) سے کرتا ہے۔ گنگوہی صاحب نے جواب میں لکھا کہ "اگرچہ شخصِ ثالث نے تاویلِ آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال نہیں کہنا چاہیے"۔ فتوے میں آگے تاویل کر کے صاف لکھا "لہٰذا وقوعِ کذب کے معنی درست ہو گئے"۔ (اصل فتوے کا فوٹو کتاب "دیوبندی مذہب" کے صفحہ ۵۹۱ پر موجود ہے) امکانِ کذب کو خلف وعید سے وابستہ کرنے سے براھین قاطعہ پر جو وقوعِ کذب ماننا لازم آرہا تھا، اس فتوے میں اس کا عبارۃً اقرار بھی کر لیا گیا۔ گنگوہی صاحب نے اپنے دوسرے چہیتے شاگرد مولوی محمد حسن مراد آبادی کے نام سے "تقدیس القدیر" چھپوائی تو اس کے صفحہ ۷۹ پر اقرار کیا گیا کہ "گفتگو جواز وقوعی میں ہے نہ کہ جواز امکانی میں"۔ صفحہ ۷۸ لکھا کہ "جواز وقوعی میں بحث ہے"۔ مرتضیٰ حسن چاند پوری دربھنگی نے "اسکات المعتدی" صفحہ ۳۱ پر اکابر اشاعرہ کو وقوع کذبِ الٰہی کا قائل ظاہر کیا۔ معاذ اللہ۔ (تکمیلات الاستمداد)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ایک فتویٰ دیوبندیوں کی کتابوں میں موجود ہے، جو دیوبندیوں کے نزدیک قابل اعتماد و معتبر ذریعہ سے پہنچا ہے، تحریف شدہ نظر آنے کے باوجود اس میں بھی براھین قاطعہ کی جہالت ہی ظاہر کی گئی ہے۔ لکھا ہے کہ "رہا خلاف علماء کو جو دربارۂ وقوع و عدم وقوع خلاف وعید ہے جس کو صاحب براھین قاطعہ

نے تحریر کیا ہے وہ دراصل کذب نہیں صورتِ کذب ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۹۶، ضمیمہ براھین قاطعہ، ص۲۷۴، عباراتِ اکابر، ص ۱۴۵ وغیرہ) خود ہی مان بیٹھے کہ وقوع خلفِ وعید کو کذب قرار دینا باطل تھا۔ مگر اب کون پوچھے کہ جناب آپ تو امکانِ کذب باری ثابت کرنے نکلے تھے وہ تو ثابت نہ ہو سکا، تو حاجی امداداللہ کا اتنا فتویٰ درج کرنے سے کیا حاصل ہوا؟ بہر حال امکان کذب کے سلسلے میں ان کی طرف سے دی گئی خلف وعید کی دلیل کو اگر برحق اور صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ دیوبندی حضرات قیامت کے دن کے لیے وقوع کذب باری کے قائل ضرور ہیں۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے اسی لیے فرمایا تھا کہ ؂

خلیل احمد خدا را گفت کاذب۔ دلیل آورد از خلف المواعید (تذکرۃ الخلیل، ص۱۳۲)

یعنی مصنف براھین قاطعہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی امکانِ کذب الٰہی کے اثبات کے لیے خلف وعید کی دلیل پیش کر کے وقوع کذبِ الٰہی کے قول کا مرتکب ہوا ہے۔

وقوع کذب کے فتوے کے سلسلے میں اب تک کہا گیا ہے کہ یہ مولانا احمد رضا خاں نے گھڑا ہے۔ (المھند ص۴۷۔ عباراتِ اکابر ص ۱۴۶ وغیرہ) یہ بدایوں والوں کی جعلسازی اور بریلی والوں کی مکاری ہے۔ (الشہاب الثاقب ص۸۰۔ رسائل چاند پوری ج۲، ص۳۷۸) اور یہ کہ الخط یشبہ الخط، اور یہ کہ فتاویٰ رشیدیہ میں وقوع کذب باری کے قائل کو کافر کہا گیا ہے۔

اس سلسلے میں پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وقوع کذب باری کا یہ گنگوہی فتویٰ بریلی یا بدایوں میں نہیں چھپا بلکہ پہلی بار یہ فتویٰ دیوبندیت کے گڑھ میرٹھ میں ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں چھپا۔ مولانا نذیر احمد خاں رامپوری، احمد آبادی نے وقوع کذب باری ماننے کے سبب رشید احمد گنگوہی کو کافر قرار دیا اور ان کا فتویٰ ۱۳۰۹ھ میں مطبع خیر المطابع میرٹھ سے شائع ہوا۔ پھر دس سال بعد ۱۳۱۸ھ میں یہی فتویٰ مع ردّ بلیغ بمبئی سے شائع ہوا۔ ایک سال قبل ۱۳۱۷ھ میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے "فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین" لکھی اس میں پانچواں سوال امکانِ کذبِ الٰہی کے بارے میں ہے۔ مگر وقوعِ کذبِ باری کے بارے میں خاموشی ہے، جو اس فتوے کے بارے میں ان کی بے خبری و بے علمی کو ظاہر

کرتی ہے۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں گنگوہی فتویٰ مع ردّ قاہر مطبع تحفہ حنفیہ پٹنہ سے شائع ہوا۔ ۱۳۲۰ھ میں امام احمد رضا نے "المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد" لکھی تو اس میں گنگوہی صاحب کے وقوعِ کذبِ الٰہی کے فتویٰ کا ذکر کر کے تکفیر فرمائی۔ گنگوہی فتویٰ شائع ہونے کے بارہ سال بعد امام احمد رضا کے یہاں اس کا ردّ ہو رہا ہے۔ فتویٰ تو میرٹھ اور بمبئی والے شائع کریں مگر نزلہ گرے بدایوں اور بریلی والوں پر اور گالیاں ملیں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو۔

نہ تم کفر کرتے نہ تکفیر ہوتی
رضا کی خطا اس میں سرکار کیا تھی؟

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ الخط یشبہ الخط کا قاعدہ اپنے مقام پر برحق ہے، تاہم خطِ مفتی اگر حجت شرعیہ نہ ہو تو تمام فتاویٰ وکتب غیر معتبر ہو جائیں۔ ہاں اگر گنگوہی صاحب (متوفی ۱۳۲۳ھ) نے اشاعت فتویٰ کے بعد اپنی زندگی کے باقی پندرہ سالوں میں اس فتویٰ سے انکار کیا اور اس کی تردید میں فتویٰ لکھا ہو تو اس کا فوٹو پیش کیا جائے۔ (اگرچہ آپ کے بقول الخط یشبہ الخط کا قاعدہ وہاں بھی لاگو ہوگا) اگر فتویٰ جعلی ہوتا تو یہ مقدمہ باز فرقہ آسمان سر پر اُٹھا لیتا، مقدمے کرتا اور گنگوہی کی جوابی تحریر کے فوٹو شائع کرتا، مگر ایسا نہ ہو سکا کیونکہ وہ فتویٰ واقعی گنگوہی صاحب کا تھا۔ خوش خطی گنگوہی صاحب کی تھی (مکاتیبِ رشیدیہ میں گنگوہی کی تحریر کا عکس موجود ہے)۔ لب ولہجۂ کلام گنگوہی صاحب کا ہے، دلیل بھی گنگوہی صاحب کی ہے جو وہ براھین قاطعہ میں بھی پیش کر چکے ہیں۔ گنگوہی صاحب شہر خموشاں کو سدھارے تو اب خاموش چیلوں نے بولنا شروع کیا، بلکہ چیخنا چلاّنا شروع کیا کہ یہ فتویٰ ہمارے حضرت کا نہیں ہے۔ گویا مان گئے کہ یہ کفریہ فتویٰ ماننے کے لائق نہیں ہے، تو جناب یہی بات تو پندرہ سال سے آپ کے مخالفین آپ سے منوانا چاہتے تھے، مگر آپ کہہ رہے تھے کہ "حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے"۔ (تذکرۃ الرشید ج۲، ص۱۷)

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ میں جو فتویٰ ہے وہ ۱۳۰۷ھ کا ہے، مگر جس فتوے پر تکفیر ہے وہ ۱۳۰۸ھ کا ہے۔ تو پہلے فتوے کو منسوخ کہو تو تمہاری مرضی ہے۔

یا (اپنے فتوے کی رو سے آپ ہی کافر ہوئے) کا قول کرو تو تمہاری مرضی ہے۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ گنگوہی صاحب نے اس مسئلے میں تدریجاً ترقی کی ہے۔ ۱۳۰۰ھ میں ''جامع الشواھد'' چھپی تو اس میں امکانِ کذبِ الٰہی کے نظریے کو وہابیہ کی گمراہیوں میں سے گنوایا گیا تھا۔ اس فتوے کی تصدیق گنگوہی صاحب نے بھی کی تھی۔ (فتح المبین، از مولانا منصور علی مراد آبادی، ص ۴۵۵) پھر ۱۳۰۴ھ میں براہین قاطعہ میں امکان کذب الٰہی کی تائید کی۔ (براہین قاطعہ، ص ۲۔ الشہاب الثاقب، ص ۸۲) پھر ۱۳۰۷ھ میں وقوعِ کذبِ باری کو کفر قرار دیا۔ (فتاویٰ رشیدیہ) اور ۱۳۰۸ھ میں وقوعِ کذبِ باری کے قائل کو کافر گمراہ یا فاسق کہنے سے روکا، مگر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے جب کذب کو صوری و بظاہر قرار دے کر ردّ کیا تو باقی بعض کو ہوش آیا کہ امکانِ کذب کا اطلاق بے ادبی ہے، جو بوقتِ ضرورت کی جاسکتی ہے، معاذ اللہ، (مطالعۂ بریلویت، ج ۱، ص ۳۳۴) اور تھانوی صاحب نے بھی اس اطلاق (امکان کذب) کا سوء ادب یعنی بے ادبی ہونا تسلیم کیا۔ (بوادر النوادر، ص ۲۰۷) تو گویا گنگوہی صاحب وغیرہ نے امکانِ کذب کا اطلاق کر کے اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے اور دیوبندیوں کے نزدیک ایسی بے ادبی ضرورتاً جائز ہے۔ کیا ایسے نادان دوستوں کے ہوتے ہوئے گنگوہی صاحب کے لیے کسی اور کے تکفیری فتوے کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

۴۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا جرم:

پس منظر یہ ہے کہ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عام کرنے کے سلسلے میں محافلِ میلاد کے نام سے مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں، ان میں نعتیہ کلام میں ندائے یا رسول اللہ بھی آجاتی تھی، یہ سب کچھ غیر مسلموں پر گراں گزرتا تھا۔ انگریزی اقتدار آیا تو منافقین نے بھی پر کھولے اور کھل کر مخالفت میں آگئے۔ ایک سوال مرتب ہوا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشعار میں مخاطب و حاضر سمجھنے کے بارے میں پوچھا گیا کہ جائز ہے یا نہیں؟ (انوارِ ساطعہ ص ۸) انوارِ ساطعہ کے نورِ دوئم کے لمعہ رابعہ میں مولوی عبدالجبار عمر پوری کا جواب یہ نقل کیا گیا کہ ''حضرت کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں

تشریف لاتے ہیں، شرک ہے۔ ہر جگہ موجود خدا تعالیٰ ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی"۔ حالانکہ ہر محفل میلاد میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا دعویٰ اہل سنت پر افتراء ہے۔ نظرِ کرم اور جلوہ ہائے رحمت کا محفل میلاد پر متوجہ و مرتکز ہونا اور بات ہے کبھی تشریف آوری بھی ہوسکتی ہے۔

گھر میں جب دھوپ آگئی گویا کہ سورج آگیا
مابدولت خود ہیں شامل محفل میلاد میں

پھر جہالت یہ کہ تشریف لانے اور موجود ہونے میں فرق نظر نہ آیا، مولانا عبدالسمیع رامپوری نے اس کی کم عقلی سے چشم پوشی فرمائی اور عبدالجبار کے مذکورہ بالا شرک کے قاعدے کو توڑنے (نقض) کے لیے کچھ عام فہم مثالیں پیش کیں کہ ملک الموت بیک وقت کتنی جگہوں پر روحیں قبض کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہے یہ تو مقرب فرشتہ ہے، دیکھ شیطان بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے، یونہی چاند سورج ہر جگہ دیکھنے والے حاضر پاتے ہیں، ان کی اتنی جگہ حاضری ماننا شرک نہیں تو مجالس کی چند جگہوں پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کا امکان کیونکر شرک ہوسکتا ہے؟ اسے گنگوہی صاحب کی عیاری سمجھیں یا انبیٹھوی صاحب کی حماقت کہ اسے نقض سے توڑ کر مدّعا پر استدلال ٹھہرایا یعنی ان کے نزدیک مولانا عبدالسمیع نے یہ بتایا ہے کہ جب شیطان و ملک الموت ہر جگہ موجود ہیں تو اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر جگہ ضرور (علمی وجسمی طور پر) موجود ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر مخلوق سے افضل ہیں۔ حالانکہ کہاں نقض اور کہاں استدلالِ قیاسی؟

براھین قاطعہ کی ایک متنازعہ فیہ عبارت ملاحظہ ہو کہ "الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلادلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو ردّ کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ (براھین قاطعہ ص۵۱)

وہ مزید لکھتا ہے کہ "ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ

علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کی برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ"۔ (براھین قاطعہ ص۵۲)
بلکہ وہ اولیاء کرام سے مقابلہ کراتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اُن اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کردیا کہ اُن کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔ اگر اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گنا اس سے زیادہ عطا فرماوے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے، کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جائے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کیا جائے"۔ (براھین قاطعہ ص۵۲)
۱۳۰۲ھ میں انوارِ ساطعہ لکھی گئی تھی، ۱۳۰۴ھ میں گنگوہی و انبیٹھوی نے مل کر براہین قاطعہ لکھی، ان دونوں کتابوں کی زبان کا تقابل مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے یوں کیا ہے کہ " انوارِ ساطعہ کی دل آویز تحریر کو آپ ضبط نہ کر سکے اور براھین جیسی ضخیم کتاب جس کے لفظ لفظ سے غصہ و رنج ٹپک رہا ہے"۔ (تذکرۃ الرشید ج۲، ص۴۲) مولانا نذیر احمد خاں رامپوری احمد آبادی (متوفی ۱۳۲۳ھ) نے انوارِ ساطعہ کی حمایت میں ۳۶۷ صفحات کی ضخیم کتاب لکھی جو "البوارق اللامعہ علیٰ من اراد اطفاء الانوار الساطعہ" کے نام سے بمبئی میں طبع ہوئی۔ ۱۳۰۷ھ میں انوار ساطعہ کا نظر ثانی شدہ اڈیشن شائع ہوا، جس میں انہوں نے مصنف براھین قاطعہ پر دنیائے اسلام کا ردّ عمل یوں پیش کیا کہ " بہت مقامات پر ایسی ایسی تقریریں دل آزار رقم کی ہیں جس سے اہل اسلام علماء و غیر علماء سب کبیدۂ خاطر ہوگئے"۔ (انوار ساطعہ جدید ص۱۲) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے بھی لکھا کہ " تمام بلاد ممالک ہند مثلاً بنگال و بہار و مدراس و دکن و گجرات و بمبئی و پنجاب و راجپوتانہ و رام پور و بہاول پور وغیرہ سے متواتر اخبار حیرت انگیز حسرت خیز اس قدر آتی ہیں کہ جس کو سن کر فقیر کی طبیعت نہایت ملول ہوتی ہے اس کی علت یہی براھین قاطعہ و دیگر ایسی ہی تحریرات ہیں۔" (انوارِ ساطعہ جدید ص۲۹۸) انوارِ ساطعہ جدید کے آخر پر علماء کی تقریظات ہیں، تقریباً سب نے انوارِ ساطعہ کی زد میں آنے والے منکر علماء کو گمراہ قرار دیا۔ مولانا نذیر احمد رامپوری احمد آبادی نے انہیں المنکرین المتبعین غیر سبیل المومنین کا لقب عطا فرمایا۔ (انوارِ ساطعہ جدید ص۲۸۱) براھین قاطعہ کے آخر پر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی طرف منسوب کر کے ایک خط شائع کیا گیا ہے جس سے پہلے مولانا نذیر احمد خاں رامپوری احمد آبادی کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے

براھین قاطعہ پر اعتراضات کر کے تکفیر و تضلیل کی ہے۔ (براھین قاطعہ مطبوعہ ساڈھورہ ص۱۷۱،۲۷۲) ۱۳۰۹ھ میں بھی آپ نے گنگوہی کے وقوعِ کذبِ الٰہی کے فتوے کی بنا پر اس کی تکفیر کا فریضہ سر انجام دیا۔ انکشافِ حق والے بدایونی صاحب اور مطالعۂ بریلویت والے خالد محمود صاحب متوجہ ہوں اور بتائیں کہ مولانا نذیر احمد خاں رامپوری علیہ الرحمہ نے براھین قاطعہ کی تکفیر کی یا نہیں؟، لہٰذا اس سلسلے میں اپنا ریکارڈ درست کرلیں۔

۱۸۸۳ء میں مولانا غلام دستگیر قصوری کی کتاب ''ابحاثِ فرید کوٹ'' کے صفحہ ۱۵ پر مؤلف براھین قاطعہ نے مولانا غلام دستگیر قصوری کی شان یوں بیان کی ''حامی دین متین قامع اساس المبتدعۃ والضالین مولانا مولوی عبدالرحمٰن غلام دستگیر قصوری ادام اللہ فیوضہ الی یوم الدین''۔ (انوارِ ساطعہ جدید ص۲۶۹) مولانا غلام دستگیر قصوری بھی خلیل احمد انبیٹھوی کو سُنّی عالم سمجھتے تھے، ربیع الآخر ۱۳۰۶ھ میں جب آپ بہاول پور آئے تو براھین قاطعہ دیکھی جس سے پرانی محبت سخت عداوت میں بدل گئی۔ (تقدیس الوکیل ص۱۱)

چنانچہ شوال ۱۳۰۶ھ / جون ۱۸۸۹ء میں ریاست بہاول پور میں خلیل احمد انبیٹھوی (اور محمود حسن وغیرہ) کے ساتھ مولانا غلام دستگیر قصوری کا مناظرہ ہوا، جس میں مذکورہ عبارات بھی سامنے لائی گئیں۔ اس کا نتیجہ ۱۱ر جولائی ۱۸۸۹ء کے ''صادق الاخبار بہاول پور'' میں یوں شائع ہوا کہ ''خلیل احمد اور اس کے ہم عقیدہ اہل سنت سے نہیں، فرقہ وہابیہ اسماعیلیہ سخت بے ادبوں سے ہیں''۔ (تذکرۃ الخلیل، ص۱۳۴) اس فتوے پر میاں صاحب (حضرت خواجہ غلام فرید) اور پندرہ سے زائد حضرات کے دستخط تھے۔ اس پر دیوبندیوں کو بڑی کوفت ہوئی اور یہاں تک لکھ گئے کہ ''دستخط کنندوں کی مستورات کے دستخط کیوں نہ کرائے؟'' (تذکرۃ الخلیل، ص۱۵۰) اور آخر میں اپنی رحمدل انگریز حکومت کی دھونس دی کہ ''عجب نہیں یہ مسئلہ پولیٹکل ہوجائے اور غلام دستگیر ہم کو مجبور کرے کہ ہم گورنمنٹ کو اس طرف متوجہ کریں''۔ (تذکرۃ الخلیل، ص۱۵۰) ادھر مولانا غلام دستگیر قصوری بھی اپنی سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حرمین شریفین جا پہنچے اور مکہ مکرمہ میں چار مذاہب اہل سنت کے مفتیوں کو روداد مناظرہ تقدیس الوکیل بمع براھین قاطعہ پیش کی، تو انہوں نے خلیل احمد

انبیٹھوی اور اس کے ہم نواؤں کو زندیق کافر واجب القتل قرار دیا۔ مدینہ منورہ کے مفتی احناف اور ایک حنفی عالم سے بھی تصدیق کرائی۔ پھر آپ یہ معاملہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۱۷ء۔۱۸۹۱ء) کے پاس لے گئے جسے براھین قاطعہ ص۱۹،۲۳ میں "ہمارے شیخ الہند" اور تمام علمائے مکہ پر فائق اور اعلم قرار دیا گیا تھا، تو مولانا رحمت اللہ نے سات آٹھ صفحات کی تقریظ لکھی، تقریظ میں زیر بحث عبارت کا مفہوم یوں لکھا ہے کہ "اور بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت کا علم شیطانِ لعین کے علم سے کہیں کم تر ہے اور اسی عقیدے کے خلاف کو شرک فرمایا"۔ (تقدیس الوکیل، ص۴۱۹) اور مولانا غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمہ کو براھین قاطعہ کے ردّ (تکفیر و تھلیل) میں دعائے خیر دی۔ (تقدیس الوکیل، ص۴۱۵۔۴۲۲) اور علماء نے بھی دستخط فرمائے۔ (واضح رہے کہ مولانا رحمت اللہ کی ایک تقریظ انوارِ ساطعہ پر بھی موجود ہے)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۱۷ھ) نے مولانا غلام دستگیر قصوری سے مسائل متنازعہ بغیر ناموں کے لکھوائے (ان کے پیرو مرشد ہونے کے ناطے انہیں ابھی ان کی اصلاح کی امید تھی اس لیے ابھی نرمی برت رہے تھے، نیز اس لیے بھی کہ ابھی ان کے نزدیک ان کا لزوم کفر التزامِ کفر کے درجہ کو نہ پہنچا تھا)۔ عبارت زیر بحث کو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین قرار دیا گیا۔ اس تحریری فتویٰ کی تائید حضرت شیخ الدلائل مولانا عبدالحق مہاجر مکی علیہ الرحمہ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ اور مولانا انوار اللہ حیدر آبادی علیہ الرحمہ وغیرہ متعدد علماء نے فرمائی۔ (تقدیس الوکیل، ص۴۴۳، ۴۴۵) واضح رہے کہ انوارِ ساطعہ کی تائید مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، مولانا عبدالحق حقانی مفسر دہلوی وغیرہ متعدد حضرات فرما چکے تھے۔ (ملاحظہ ہو انوارِ ساطعہ جدید، ص۲۶۶ تا آخر)

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ امام احمد رضا ۱۳۰۶ھ میں "اعلام الاعلام" لکھتے ہیں تو براھین قاطعہ کی مخصوص عبارات میں سے کسی کا تذکرہ نہیں ملتا۔ ۱۳۰۷ھ میں "سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" لکھا اس میں براھین قاطعہ کے امکان کذب کو ہی ذکر فرمایا۔ اس

میں لکھا کہ "(مولوی اسماعیل دہلوی کے) ان مقتدیوں یعنی (امکانِ کذب کے ان) مدعیانِ جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت و ضلالت میں شک نہیں"۔ (تمہید ایمان، ص۵۱) ۱۳۱۷ھ میں آپ نے "فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین" لکھا اس میں بھی براھین قاطعہ کی متنازعہ فیہ مذکورہ بالا عبارت کا تذکرنہیں ملتا۔ ۱۳۱۷ھ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا، تو گویا براھین قاطعہ والوں کی اصلاح کی امید ہی جاتی رہی۔ ۱۳۱۸ھ میں دہلی سے مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سوال بھیجا گیا جس میں براھین قاطعہ کی مذکورہ بالا متنازعہ عبارت کا تذکرہ بھی کیا گیا تو امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے رسالہ "انبا المصطفٰے بحال سرّ و اخفیٰ" تحریر فرمایا، جس میں دکھی دل کے ساتھ لکھا کہ "وہ شخص جو شیطان کے علم ملعون کو علم اقدس حضور پُر نور عالم ماکان و مایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد کہے اس کا جواب اس کفرستانِ ہند میں کیا ہوسکتا ہے انشاء اللہ القہار روزِ جزاء وہ ناپاک نانجار اپنے کیفر کفری گفتار کو پہنچے گا، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون، یہاں اسی قدر کافی ہے کہ یہ ناپاک کلمہ صراحتاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگاتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگانا کلمۂ کفر نہ ہوا تو اور کیا کلمہ کفر ہوگا"۔ (مجموعہ رسائل اعلیٰ حضرت، ج۱،ص۱۵۶)

۱۳۲۰ھ میں آپ نے "المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد" لکھی جس میں براہینِ قاطعہ کی یہ عبارت لکھی کہ "شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو ردّ کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ اس سے پہلے لکھا "شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اتنا محدود مانا کہ "شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں"۔ پھر ۱۳۲۴ھ میں علمائے حرمین شریفین نے اس براھینِ قاطعہ کی عباراتِ متنازعہ مذکورہ کے قائلین کو کافر قرار دے دیا۔

اب یہ رونا رویا گیا کہ اہل حرم اُردو سے بے خبر تھے، اُردو داں ہوتے تو ان عبارات کو برحق قرار دیتے۔ اس میں بھی دراصل علمائے حرمین پر الزام ہے کہ بے سمجھے اور بغیر مترجم

سے رابطہ کیے اردو کی کتاب براھین قاطعہ کی تکفیر کی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، انہیں فتوائے کفر کی سنگینی، آداب اور احتیاطیں یقیناً معلوم تھیں، پھر ان میں مولانا عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی اُردو دان کا فتویٰ بھی موجود ہے، بلکہ اُردو دانوں نے بہاول پور میں، ہندوستان میں، پھر حرمین میں اٹھارہ سال پہلے ہی اس عبارت کو گستاخی قرار دیا تھا، اس وقت خواجہ غلام فرید، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا نذیر احمد خاں رامپوری، مولانا غلام دستگیر قصوری علیہم الرحمہ وغیرہ بھی کیا اردو سے بے خبر علماء تھے؟ اور پھر الصوارم الہندیہ میں جن دو سو اڑسٹھ اردو جاننے والے علمائے اسلام نے فتوے دیئے ہیں، کیا وہ صاحبِ براھین قاطعہ کی مدح وحقانیت شمار ہوتے ہیں؟ ۔

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ
تم کو بے مہریٔ یارانِ وطن یاد نہیں

اس مقام پر بھی ہمارے مہربانوں نے کئی چالیں چلیں اور امام احمد رضا پر اعتراض کیے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد کسی کا علم ماننے کو کفر کہا ہے، تو وہ براہین میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد کسی کا علم کیسے مان سکتے ہیں۔ (المہند، ص۵۷، الشہاب الثاقب، ص۸۸، رسائل چاند پوری، ج۲، ص۴۰۹ وغیرہ)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی" میں یہ وسعت فیصلہ کن تھا، اس پر غور نہ کیا گیا، اس سے مراد شیطانی وسفلی علوم، دنیاوی وارضی امور کا علم، شعر وسحر کا علم اور دیگر غیر نافع علم ہیں، جو پیغمبر کی شان کے لائق نہیں کیونکہ عیب ہیں۔ (مطالعۂ بریلویت، ج۱، ص۳۴۷، الشہاب الثاقب، ص۹۰، فیصلہ کن مناظرہ وغیرہ)

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ شیطان پر قیاس کر کے محض افضلیت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلم (زیادہ علم والا) ثابت کرنا باطل ہے ورنہ ہر مومن بھی شیطان سے افضل ہے تو اعلم بھی مانو، پھر موسیٰ وخضر کا واقعہ اور ہدہد وسلیمان کا واقعہ بھی ثابت کرتا ہے کہ افضل ہونے سے زیادہ علم والا ہونا ثابت نہیں ہوتا، پھر یہ کہ امام رازی نے تو صاف لکھا ہے کہ "یجوز ان یکون غیر النبی فوق النبی فی علوم لا تتوقف نبوۃ علیہا." (مطالعۂ بریلویت ج۱،

ص ۳۴۱، الشہاب الثاقب ص ۹۱، عباراتِ اکابر ص ۱۵۷، رسائل چاند پوری ج ۲، ص ۳۸۸، فیصلہ کن مناظرہ وغیرہ)

چوتھا اعتراض یہ کیا کہ جب عطائی علم شیطان کے لیے ثابت مانا ہے اور ذاتی علم کو فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک لکھا ہے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ اور ذاتی علم یہ ہوتا ہے کہ عطا شدہ علم سے ایک ذرہ بھی زائد علم ماننا اپنی ذات سے ماننا ہے اور یہ ذاتی علم ہے اور اس کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک کہا گیا ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۹۴، رسائل چاند پوری ج ۲ ص ۳۸۶ وغیرہ)

پانچواں اعتراض یہ کیا گیا کہ صاحبِ انوارِ ساطعہ ابلیس لعین کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ مقامات پر حاضر ناظر مان کر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹا رہے ہیں مگر بے ادبی کا الزام صاحب براھین قاطعہ کو دے رہے ہیں۔ (فیصلہ کن مناظرہ، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

آخر میں چھٹا اعتراض یہ کیا گیا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان (نص قطعی؟) ہے کہ مَیں دیوار کے پار نہیں جانتا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اس حدیث کے واقعی راوی ہیں۔ محیط زمین علم کے دعوے کہاں اور کہاں دیوار کے پار کا علم؟ حدیث ما ادری اور مسئلہ شہادت نکاح بھی علم محیط زمین کے خلاف ہیں۔

اس سلسلے کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دیوبندی حضرات خود پر فتویٰ لگانے، مذہبی خودکشی کرنے اور کہہ مکرنی کے پرانے عادی ہیں، جب اوروں کے لیے علم محیط زمین کا مانا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو چار دیواری میں نظر بند کر دیا تو پیچھے مکرنے کے لیے رہ ہی کیا جاتا ہے؟

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ "یہ وسعت" میں اسمِ ضمیر "یہ" ہے، جس کا مرجع پیچھے موجود ہے (علم محیط زمین کا)۔ اس کا فرضی مرجع شیطانی علوم بتانا مکاری اور جھوٹ ہے، پھر شیطان کے علاوہ ملک الموت کے لیے بھی (یہ وسعت) کا لفظ موجود تھا۔ کیا ملک الموت کے لیے بھی دیو بندی مناظر وہی شیطانی وسفلی علوم مانتے ہیں جو بشر رسول کے لیے

گستاخی بتلائے؟ کیا یہ ملک رسول کی گستاخی نہیں؟ من کان عدوا اللہ وملائکتہٖ ورسلہٖ ...... (سورۃ بقرہ، آیت ۹۸) پر ان لوگوں کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر کیا دیوبندی حضرات اللہ تعالیٰ کو بھی ان عیبی علوم سے پاک اور بے علم مانتے ہیں یا نہیں؟ ان لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ علم فی نفسہٖ بُرا نہیں ہوتا، بالغیر بُرا ہو سکتا ہے، دیکھیے جادو برا ہے مگر ساحرانِ موسیٰ نے معجزہ اور جادو کا فرق جادو جاننے کی وجہ سے جانا اور یہی ان کے ایمان لانے کا سبب بنا۔ عرب کے جس شاعر نے سورۃ کوثر کے بارے میں کہا کہ یہ بندے کا کلام نہیں، اپنے علم شعر سے اس نے یہ حق پہچانا، مذاہبِ باطلہ کی کتابوں کا علم عامۃ الناس کے لیے گمراہی کا سبب ہے، مگر مناظرین اسی علم سے تبلیغِ حق اور احقاقِ حق کا کام لیتے ہیں، قرآن کا علم تو سبحان اللہ قرآن کا علم ہے، اس کے بارے میں بھی یضل بہٖ کثیرا کا خطرہ بتایا گیا ہے، بلکہ مذاہب باطلہ کے علماء اپنے علمِ قرآن کی مدد سے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ خوب واضح ہو گیا کہ ہر علم فی نفسہٖ نور ہے، اور وہ جو بعض علوم کو بُرا کہا جاتا ہے تو وہ بالغیر بُرے ہیں نہ کہ فی نفسہٖ۔ اور بالغیر بُرے علوم سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔ تعلیم امت کی خاطر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی کہ اللّٰھم انی اعوذبک من علم لا ینفع۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے من قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا یسمع سے بھی تعوذ سکھایا (حصن حصین مترجم تاج کمپنی، ص ۳۰۹) جس سے واضح ہو گیا کہ پناہ قلب ونفس و دعا اور علم سے نہیں مانگی جاتی بلکہ ان کی منفی تاثیرات سے پناہ مانگی جاتی ہے، تو اب مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ علم مجھے نفع نہ دے اور اس سے کہ میرا دل خشوع وخضوع نہ کرے اور اس سے کہ میرا نفس سیر نہ ہو اور اس سے کہ میری دعا قبول نہ ہو۔ کیا آپ نے ایسے عالم کبھی نہیں دیکھے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے، ان کا علم غیر نافع ہوتا ہے۔ یہ مقید دعا تعلیم امت کے لیے ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلق علم کی زیادتی طلب کرنے کا حکم دیا ”قل رب زدنی علماً“ (سورۃ الکہف، آیت ۱۱۴) نیز ارشاد ہوا کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں۔ (الزمر، آیت ۹) انتم اعلم بامر دنیاکم (تم جانو اور تمہارے

دنیاوی کام) کا جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) اپنی اپنی کم علمی ظاہر کرنے کے لیے نہیں ارشاد فرمایا بلکہ ان پر اپنی ناخوشی کا اظہار فرمایا۔ فقہ میں بھی یہ جملہ عدمِ رضا مندی کی دلیل سمجھا گیا ہے، چنانچہ کوئی خاتون اپنے نکاح کی اجازت دیتے وقت ''انتم اعلم بامر کم'' بولے تو یہ ناخوشی اور غیر رضا مندی کی علامت بتلایا گیا ہے۔ (فتح القدیر، مزید مثالوں کے لیے کتاب ''علم نبوی اور امورِ دنیا'' از مفتی محمد خاں قادری، مطبوعہ لاہور دیکھیے) برکتیں تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہیں، ان حضرات نے جلد بازی کی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخوش ہو کر مذکورہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔ دنیاوی و ارضی علوم کو بُرا بتلا کر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے بے خبری و بے عملی کا قول جہالت یا عداوت کا آئینہ دار ہے۔ فرمان الٰہی ہے کہ ''ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف اللیل و النھار لایات لاولی الالباب'' (سورۃ انعام۔ آیت ۴۹) بے شک تخلیق ارض و سماء اور اختلاف لیل و نہار میں عقلمندوں کے لیے آیات ہیں۔ ''و کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض و لیکون من الموقنین'' (سورۃ انعام، آیت ۷۵) اور اسی طرح (یعنی آپ کی طرح) ہم ابراھیم کو بھی دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں سے ہو جائے۔ تو سید الموقنین صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت و مشاہدہ ارض و سماء کا کیا کہنا؟ جتنا زیادہ ان آیات کا مشاہدہ ہوگا اُتنا زیادہ ایقان ہوگا۔

رہ گیا علم شعر کا معاملہ تو اس کا تعلق اگرچہ متنازعہ فیہ ''علم محیط زمین'' سے نہیں ہے، تاہم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم شعر سنتے تھے ان میں اصلاح بھی فرماتے تھے اور انعام سے بھی نوازتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم حکمت ہیں اور بعض شعروں کو بھی حکمت میں سے قرار دیا ہے۔ (مشکوٰۃ ص۴۰۹) تو ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیائے شعر و شاعری سے بے خبر اور بے علم بتانا جہالت ہی نہیں جھوٹ بھی ہے۔ سورۃ یٰس، آیت ۶۹ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ یہ آپ کے شایاں ہے۔ (واقعی یہ تو آپ کے غلاموں کی شان ہے) اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے آپ کو جو علم دیا ہے یہ شعر نہیں ہے (جو آپ کے شایاں نہیں) بلکہ قرآن مبین ہے۔ کیونکہ شعروں کے معنی

اکثر غیر مبین ہوتے ہیں۔ شاعر کچھ کہنا چاہتا ہے سامع کچھ سمجھتا ہے۔ (میں کچھ بولا وہ کچھ سمجھا مجھے کچھ اور کہنا تھا) فریق مخالف کی جہالت و عداوت کا یہ حال ہے کہ علم شعر کو بھی علم غیب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے علمِ غیب کی نفی کرتے وقت اس آیت کو بھی پیش کرتے ہیں تو گویا حالیؔ، غالبؔ، اقبالؔ اور دیگر شعراء کو تو علم غیب مانتے ہیں۔ دوسرے اعتراض کا جواب تو اگرچہ ایک سطر میں ہی ہو گیا تھا مگر علم دشمنوں کی جہالت واضح کرنے کے لیے ہمیں طول دینا پڑا۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ "افضلیت سے زیادہ علم والا ہونا کا قیاس" انوارِ ساطعہ پر جھوٹ ہے۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری نے دعوائے شرک کو توڑنے کے لیے (نقض کے لیے) مثالیں دی ہیں۔ ان پر قیاس کر کے بر بنائے افضلیت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ علم والا ہونا ثابت نہیں کیا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کے خلاف پیش کیے جانے والے دلائل سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی کمی ثابت نہیں ہوتی۔ بر سبیل تنزل اگر تمہارے نزدیک نقض کا نام ہی دلیل قیاسی ہے تو اس صورت میں بھی یہ یاد رکھیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم محض افضل نہیں ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیتِ مطلقہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے لیے اصلِ ہر کمال ہیں۔ چنانچہ ہر مخلوق کا کُل علم آپ کو ملا اور آپ کی تقسیم سے ہر شے کو ہر مخلوق کو ملا۔ چنانچہ دیوبندیوں کے جعلی قاسم العلوم نے ہمارے آقا سچے قاسم العلوم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ "علمت علم الاولین والاخرین "۔ (تحذیر الناس ص ۴۵، ۴۶) پس اگلی پچھلی ہر مخلوق کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے۔ چلیے افضلیت پر قیاس کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی اور مخالف کے گھر سے ہی اس بات کی نص مل گئی کہ اگر کسی مخلوق کے لیے کوئی علم ثابت ہے تو حدیث علمت علم الاولین و الاخرین کی رو سے وہ علم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اس نص سے ثابت ہے۔ اسے قیاسِ فاسدہ کہنا نص کے مقابلہ پر قیاس کرنا ہے اور نص کے مقابلہ پر پہلے پہل کس نے قیاس کیا؟ یہ ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۷۲ھ) نے مثنوی شریف کے دفتر چہارم میں

محبوبانِ حق کے علم کے اثبات کے لیے قیاس تشبیہی سے کام لیا ہے مگر ان کی افضلیت محضہ کی بجائے ان کی محبوبیت و نورانیت کو نمایاں کیا ہے۔

چوں شیاطیں با غلیظی ہائے خویش
واقف اند از سرِّ ما و فکر و کیش
پس چرا جاں ہائے روشن در جہاں
بے خبر باشند از حال نہاں
تو اگر شلّی و لنگی کور و کرّ
ایں گماں بر روح ہائے مہ مبر

(جب شیاطین نجس ہونے کے باوجود ہمارے راز اور سوچ اور طریقے سے باخبر ہیں تو پھر نورانی ارواح دنیا میں پوشیدہ وغیبی احوال سے بے خبر کیونکر ہوں گی؟ تو اگر روحانی طور پر بے دست و پا اور اندھا اور بہرا ہے تو بزرگ روحوں پر ایسا گمان نہ کر) واضح رہے کہ مولانا روم علیہ الرحمہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے لیے بھی بمنزلہ پیر و مرشد کے ہیں، تو براھین والوں کی حیثیت کیا ہے۔

رہ گیا امام رازی علیہ الرحمہ کا یہ کہنا کہ جن علوم پر نبوت موقوف نہیں ان علوم میں غیر نبی کی نبی پر فوقیت جائز (ممکن) ہے۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ جواز و امکان اور بات ہے اور وقوع اور حقیقت اور بات ہے۔ حقیقت کا اظہار امام رازی نے ہی یوں کیا ہے کہ الامتہ لا تکون اعلیٰ حالا من النبی (تفسیر کبیر زیر آیت فوجدا عبدا من عبادنا) یعنی امت کسی حال میں نبی سے برتر نہیں ہوتی۔ نیز امام رازی کا مذکورہ بالا جواز و امکان کا قول دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہے نہ کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیونکہ آپ کا صاف فرمان اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ علمت علم الاولین والاخرین۔

چوتھے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ذاتی اور عطائی علم کا فرق یقیناً اپنی جگہ ثابت و حق مسئلہ ہے، مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذاتی علم کا دعویٰ اہل سنت نے کیا ہی کب ہے کہ ان کو مشرک قرار دیا جائے۔ انوارِ ساطعہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا۔ پھر جو علم

دیوبندی مولوی نے شیطان اور ملک الموت کے لیے ثابت مانا ہے اُسی کی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی ہے۔ اگر اُدھر عطائی علم مانا ہے تو اِدھر عطائی علم کی نفی کیوں کی ہے؟ اور اگر اِدھر ذاتی علم کی نفی کی ہے تو پھر مقابلے پر اُدھر بھی یقیناً ذاتی علم کے اثبات کا قول کر کے شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ (اگرچہ رشید احمد گنگوہی وغیرہ نے ذاتی علم غیب یعنی اللہ تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود بخود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ماننے کو بھی کفر قرار نہیں دیا، فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۱) پھر یہ عطائی علم شیطان اور ملک الموت کے لیے مان کر بھی دیوبندیوں کو امان نہیں ملتی کیونکہ ان کی کتاب تقویت الایمان ص ۱۰ کی رو سے شرک فی العلم کے سلسلے میں ذاتی وعطائی کی تفریق بے کار ہے۔ "پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے (معلوم) ہے خواہ اللہ کے دیئے سے، ہر طرح شرک ہے۔ (تقویت الایمان ص ۱۰) پھر عوامِ اہل سنت کو دھوکہ دینے کے لیے ذاتی علم کا پیمانہ بھی انوکھا پیش کیا ہے کہ ثابت شدہ عطائی علم سے ایک ذرّہ زائد علم ماننا ذاتی علم ماننا ہے جس سے شرک سرزد ہوجاتا ہے۔ حضور والا! ہم آپ کی یہ محنت بھی ضائع نہیں کرتے اور اپنی اس گراں قدر تحقیق سے بھی آپ اور آپ کے ہم نوا ہی مشرک ٹھہرتے ہیں۔ وہ یوں کہ دُرمختار اور شامی سے مولانا عبدالسمیع رامپوری نے فقط اتنا نقل کیا تھا کہ شیطان بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے۔ نصِ فقہی سے فقط اتنا ہی ثابت ہوتا تھا۔ مگر صاحبِ براھین قاطعہ نے تو شیطان کے لیے علم محیط زمین کا تسلیم کرلیا، حالانکہ زمین کے چوتھائی حصہ پر بنی آدم کی رہائش ہوسکتی ہے، مگر وہاں پر بھی ہر ہر جگہ پر بنی آدم موجود نہیں ہے۔ جب علم محیط زمین کا شیطان کے لیے براھین قاطعہ میں مانا گیا ہے تو بنی آدم کے ماسوا مقاماتِ زمین کا علم نصِ فقہی سے نہیں بلکہ از خود اپنی ذات سے مانا ہے، لہٰذا شیطان کیلیے عطائی علم سے زائد ذاتی علم مان کر مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور اس کے ہم نوا مشرک بن چکے ہیں۔

پانچواں اعتراض یہ تھا کہ انوارِ ساطعہ والے نے ابلیس کو زیادہ مقامات پر حاضر مانا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کم مقامات پر (جسمانی طور پر) حاضر مانا ہے اور یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے معاذ اللہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تم تو صاحبِ انوارِ ساطعہ سے بھی کم مقامات پر (صرف ایک مقام میں) حاضر مانتے ہو۔ تو اگر کم مقامات پر

حاضر ماننا بے ادبی ہے تو تم بقول خود بھی بے ادب قرار پائے اور ہم بھی تمہیں یہی مانتے تھے۔

چھٹا اعتراض یہ ہے کہ اہل سنت نصوصِ قطعیہ کے مقابلہ پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم محیط زمین مان کر مشرک ہوئے۔ وہ نصوصِ قطعیہ یہ ہیں۔ ”خود فخر عالم فرماتے ہیں واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم۔ الحدیث، اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں اور مجلس نکاح کا مسئلہ بھی بحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا ہے“۔ (براھین قاطعہ، ص۵۱۔ عبارات اکابر، ص۱۵۷۔۱۵۸)

اس سلسلے میں عرض ہے کہ پہلی حدیث میں ہے کہ میں درایت (ظن، تخمین اور قیاس) سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟ یعنی اپنے اور تمہارے انجام کے بارے میں میرا علم ظنی و قیاسی نہیں ہے بلکہ وحی سے مستفاد اور قطعی اور یقینی ہے۔ درایت کا یہ معنی لغت کی کتابوں میں موجود ہے، یہ معنی نہ لیے جائیں تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ان گنت پیش گوئیوں اور بے شمار خوشخبریوں کو باطل ماننا پڑے گا، مگر دیوبندیوں کو اس سے کیا؟ اُن کا امام صاف لکھ چکا ہے ”جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا“۔ (تقویت الایمان، ص۲۷) غیر مسلم بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہی نظریہ رکھتے ہیں جبھی تو وہ اسلام قبول نہیں کرتے۔ ایسے موقع پر حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یوں ہے کہ جو شخص ما ادری ما یفعل بی ولا بکم وغیرہ پر نظر کر کے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے برابر خیال کرے، وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔ (اعلاء کلمۃ اللہ، ص۷۶) اب رشید احمد گنگوہی وغیرہ کا فیصلہ خود کر لو۔ دوسری حدیث کے سلسلے میں عرض ہے کہ ”مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں“ کی سند کے سلسلے میں تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ علامہ ابن جوزی علیہ الرحمہ نے بغیر سند کے اسے کہیں ذکر کیا ہے۔ پھر شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقاصدِ حسنہ میں، پھر علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ میں اس کی سند کی بابت ”لا اصل لہ“ کے الفاظ کہے ہیں۔ (معرکۃ القلم، ص۱۴۳، ۱۴۴) ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے بھی عسقلانی علیہ

الرحمہ کے یہی لفظ ''موضوعاتِ کبیر'' میں درج کیے ہیں۔ (موضوعاتِ کبیر، محقق زغلول، ص ۱۹۸) ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے ''افضل القریٰ'' میں فرمایا کہ ''لم یعرف لہ سند''۔ (الموت الاحمر۔ ص ۳۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس روایت کو ''بے اصل'' قرار دیا، لکھتے ہیں کہ ''ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است''۔ (کتاب مدارج النبوۃ، فارسی، ج ۱، ص ۷) جو کسی روایت کی تردید کرے اسے اس کا روایت کرنے والا قرار دینا عجیب سینہ زوری ہے اور یہی سینہ زوری دیوبندیت کا طرّہ امتیاز ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بر سبیلِ تسلیم و تنزل دوسرے مقام پر اس بے سند روایت میں تاویل کی ہے کہ ''یعنی بے دانیدنِ حق سبحانہ'' (یعنی اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر از خود)۔ (اشعۃ للمعات، ج ۱، ص ۳۹۲) اگر صاحبِ براھین قاطعہ نے اس مقام سے روایت نقل کی ہے تو تاویل کو چھپا کر اور مؤوّل کو راوی ظاہر کر کے خیانت کی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بر سبیلِ تسلیم و تنزل تیسرا جواب یوں دیا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کلمات (لا اعلم ما وراء ھذا الجدار ۔ وما ادری ما یفعل بی ولا بکم) بطور عاجزی و انکساری کے فرمائے ہیں۔ ان مقامات پر ہمیں خوش نہ ہونا چاہیے۔ اس سے پہلے لکھا کہ گمراہوں کے جواب میں ہی سہی اور اپنے علماء کے اتباع میں ہی سہی میری زبان ان باتوں کے ذکر کرنے سے ہی متحاشی ہے۔ اور اس سے پہلے حضرت شیخ محقق نے ان جیسے مقامات کو متشابہات سے قرار دیا ہے۔ (مدارج النبوۃ، ج ۱، ص ۸۲، ۸۳) دیکھا آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے براھین قاطعہ کی ذکر کردہ دونوں حدیثوں کا کس طرح تذکرہ کیا ہے۔ کیا عاجزی و انکساری کے اور کسر نفسی کے مذکورہ کلمات سے استدلال کرنا اور وہ بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو گھٹانے کے لیے شیخ محقق کی روایت و تعلیم ہے؟ (معاذ اللہ)۔ متشابہات کے پیچھے اہل زیغ اور فتنہ جُو پڑا کرتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران، آیت ۷) شیخ محقق نے جس بات کو بے اصل کہا یا از خود علم کی تاویل کی یا کسر نفسی شمار کیا یا متشابہات کے قبیل سے بتلایا۔ اُسے نصوص قطعیہ میں شمار کرنا مناظرین دیوبند کا ہی دل گردہ ہے۔ مگر اپنے گھر کے اندر پیر پرستی کا یہ حال ہے کہ اپنے کسی دیوان جی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اس

زمانے میں کشفی حالت دیوان جی کی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ باہر سڑک پر آنے جانے والے نظر آتے رہتے تھے، در و دیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہیں رہتا تھا"۔ (سوانح قاسمی، ج ۲، ص ۳۴۷)

اب آیئے نام نہاد تیسری نص قطعی کی طرف، اور وہ مسئلہ مجلس نکاح کا ہے کہ اس میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا گواہ بنانا کفر ہے کیونکہ یہ علم غیب ماننا ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں، بحر الرائق)

اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی خاں نے یہ بات "قالوا" کے لفظ سے لکھی ہے۔ غنیۃ المستملی (بحث قنوت) میں ہے کہ قاضی خاں یہ لفظ وہاں لاتے ہیں جب بات انہیں اچھی نہ لگے اور ائمہ سے بھی مروی نہ ہو۔ درمختار میں یہ بات "قیل" سے لکھی گئی، وہاں بھی قیل ضعف کی دلیل ہے۔ شامی، تاتار خانیہ، جتہ ملتقط، ، معدن الحقائق، اور خزانۃ الروایات وغیرہ نے تکفیر قول مذکور کو مردود ٹھہرایا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ضعیف و مرجوع قول پر فتویٰ دینا جاہل ومخالفِ اجماع کا کام ہے۔ ابن سنی حدیث لائے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح کے وقت تین بار شہادتین پڑھتے اور اس سے پہلے فرماتے "اصبحت یا رب اشھدک و اشھدک ملائکتک و انبیاء ک و رسلک وجمیع خلقک۔ (عمل الیوم واللیلۃ، از محدث ابن سنی، رقم الحدیث ۵۲، صفحہ ۲۳، مطبوعہ بیروت ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء) اے رب میں صبح کرتا ہوں تجھے گواہ بنا کر اور تیرے ملائکہ کو اور تیرے انبیاء کو اور تیرے رسولوں کو اور تیری تمام مخلوق کو گواہ بناتے ہوئے ......الخ۔ جب انبیاء کرام علیہم السلام کو گواہ بنانا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے تو ایسی سنت پر کفر کا فتویٰ دینا کب جائز ہوسکتا ہے؟ پھر جن کو اللہ تعالیٰ نے اُمتیوں کے افعال پر گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ ویکون الرسول علیکم شھیدا (سورۃ بقرہ۔ آیت ۱۴۳) ان کو فعل نکاح میں گواہ بنانا کیونکر کفر ہو سکتا ہے؟ یہ حال ہے براھین قاطعہ کی ان قطعی نصوص کا جن کی وجہ سے وہ مدینہ کُل علم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم محیط زمین تو رہا الگ، فقط دیوار پار کا علم ماننے پر بھی تیار نہیں ہوتے۔ جب کہ شیطان کے لیے بلا دلیل علم محیط زمین مان کر اپنے منہ بولے

شرک فی العلم کا ارتکاب کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ لگتا ہے ان کے دل و دماغ میں ایک بہت بڑا دیوبند ہے جو اپنی تعریف کا اور انا خیر منہ کہنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ اور موقع نکال لیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے سامنے کسی مخلوق کے علم کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے کوئی زائد کہے تو ہم فوراً بے ساختہ معاذ اللہ کہتے ہیں اور دیوبندیوں کے دل میں کسی کے بارے میں یہ خیال آجائے کہ وہ ''اعلم من الشیطان'' (شیطان سے زائد علم والا) ہوگا'' تو فوراً بے ساختہ طور پر معاذاللہ کہتے ہیں۔ چنانچہ براہین قاطعہ ص۵۱ اور عباراتِ اکابر ص ۱۵۸ پر لکھتے ہیں کہ ''اور مؤلف خود اپنے زعم میں تو بہت بڑا اکمل الایمان ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعلم من الشیطان ہوگا۔ معاذ اللہ۔'' اس مقام پر (معاذ اللہ) کے الفاظ کا استعمال کئی مخفی راز بے نقاب کر رہا ہے۔ اپنے بزرگوں کی توہین برداشت نہ کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے ''معاذ اللہ'' کے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں یہ اسی شیطان کی محبت سے سرشار نظر آرہے ہیں کہ جن کا مزار بہشت میں بنانے کی مشروط خواہش دل میں لے کر قاسم نانوتوی صاحب مر کر مٹی میں مل گئے۔ اور آگے چل کر اسی تحریک کے مولوی حسین علی (واں بھچراں) اور مولوی غلام خاں (راولپنڈی) نے رسولوں اور ملائکہ کو بھی ایک لحاظ سے طاغوت (عام شیطان) کہنا جائز قرار دے ڈالا۔ (بلغۃ الحیران، ص۴۳) معاذ اللہ

۵۔ مولوی اشرف علی تھانوی کا جرم:

پس منظر یہ ہے کہ تقویت الایمان میں از خود یا خدا دادِ علمِ غیب ماننے کو شرک بتایا گیا تھا۔ (تقویت الایمان، ص۱۰) آگے چل کر غیب کی خبر بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ماننے سے انکار کر دیا تھا اور کہا کہ ''غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے، رسول کو کیا خبر''۔ (تقویت الایمان، ص۵۸) پھر مولوی رشید احمد گنگوہی نے ''مسئلہ علم غیب'' لکھا تو اس میں دعویٰ کر دیا کہ ''ہر چہار آئمہ مذاہب و جملہ علماء متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں ہیں''۔ (مسئلہ علم غیب از گنگوہی، ص۱۵۴، ملحق بہ علم غیب از قاری طیب، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور) جب اخبارِ غیب اور اطلاعِ غیب پر یوں ہاتھ صاف کیا گیا تو اہلِ سنت کی

طرف سے بھی دلائلِ کتاب وسنت سامنے آئے۔اب اخبارِ غیب واطلاعِ غیب کا انکار بھول گیا اور اب ان لوگوں نے "عالم الغیب" کے معنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنے والے کسی فرضی شخص زید کی تردید کے لیے قلم اٹھایا، اور تھانوی صاحب نے ۱۳۱۹ء میں صاف صاف لکھ دیا کہ "پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کُل غیب، اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علمِ غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے"۔ (حفظ الایمان، ص ۷)

یہاں واضح کردیا جائے کہ نانوتوی وگنگوہی وانبیٹھوی کی تکفیر وتضلیل میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے پہل نہیں کی بلکہ وہ تکفیر پہلے ہی کی جاچکی تھی، جس کی تاریخ اوپر بیان ہو چکی۔ امام احمد رضا نے اُن کی تکفیر وتضلیل کے سلسلے میں سابقہ علماء کا ساتھ دیا۔ ان کی عبارتوں کے ترجمے اور سیاق وسباق کے حوالے سے کیے جانے والے اعتراضات کا رخ امام احمد رضا کی طرف پھیرنا ایک غیر منطقی سی بات ہے۔ کیا دوسرے حضرات نے جو فتوے لگائے وہ دوستانہ حملوں (friendly firing) کے زمرے میں آتے ہیں؟ بہر حال یہاں بتانا صرف یہ ہے کہ حسام الحرمین میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے از خود صرف اور صرف اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان پر فتویٰ لگایا۔ یہ فتویٰ پہلے ۱۳۲۰ھ میں "المعتمد المستند" میں لگایا گیا۔ تھانوی صاحب اپنی بات پر اڑے رہے تو ۱۳۲۴ھ میں حسام الحرمین میں بھی تھانوی صاحب کی تکفیر وتضلیل کی گئی۔ دس سال بعد ۱۳۲۹ھ میں تھانوی صاحب نے "بسط البنان" لکھی جس میں کہہ مکرنی کا سہارا لیا اور اپنے آپ کی تکفیر کر ڈالی۔ مزید ۱۳ سال بعد ۱۳۴۲ھ میں "تغییر العنوان" لکھی، جس میں عبارت تو بدل دی گئی مگر توبہ پھر بھی نہ کی۔ کہا کہ پہلی عبارت بھی درست تھی، اور زیادہ بہتر یوں ہے۔ مزید بیس سال زندہ رہے اور ۱۳۶۲ھ /۱۹۴۳ء میں مر کر مٹی میں مل گئے، اور یوں یہ سیئہ جاریہ اپنے پیروکاروں کے لیے چھوڑ گئے۔

اس مقام پر علماء دیوبند نے اپنا دفاع کرتے ہوئے عجیب وغریب اور متضاد چالیں چلیں۔ پہلی چال یہ چلی گئی کہ متنازعہ فیہ عبارت میں لفظ ایسا مطلق بیان کے لیے ہے مثلاً

اللہ تعالٰی ایسا قادر ہے . . . (بسط البنان، از مولوی اشرف علی تھانوی۔ مطبوعہ مطبع علیمی دہلی ص۱۲) دوسری چال یہ چلی گئی کہ یہاں لفظ ایسا تو کلمہ تشبیہ کا ہے اور تشبیہ سے مساوات لازم نہیں آتی۔ (شہاب الثاقب، ص۱۰۳) ''اور بات سمجھانے کے لیے اعلٰی کو ادنٰی سے تشبیہ دینا جائز ہے۔ کانا یا کلان الطعام (المائدہ آیت ۷۵) کے آگے جلالین میں لکھا ہے کغیر ھما من الحیوانات (وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے جیسے دوسرے تمام جاندار کھایا کرتے ہیں) یونہی بیضاوی و قاری و صاوی نے ملتی جلتی بات لکھی ہے۔ (انکشاف حق از مولوی خلیل بدایونی بجنوری، ص۱۳۶، ۱۳۸) تیسری چال یہ چلی گئی کہ ایسا کا معنی یہاں اتنا اور اس قدر ہے۔ (توضیح البیان از مولوی مرتضٰی حسن چاند پوری، ص۸، ۱۷) چوتھی چال یہ چلی گئی کہ اس مقام پر ایسا کا معنی ''یہ'' ہے۔ (فتح بریلی کا دلکش نظارہ از مولوی منظور نعمانی، ص۹۰) پانچویں چال یہ چلی گئی کہ شرح مواقف اور مطالع الانظار میں ہے کہ بعض غیب پر مطلع ہونا نبی کا خاصہ نہیں ہے اور یہی مطلب حفظ الایمان کا ہے۔ چھٹی چال یہ چلی کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض علمِ غیب مانا ہے اور دوسری جگہ آپ نے ہر مومن کے لیے بھی بعض غیب کا علم مانا ہے، تیسری جگہ گدھے اور غیر انسان کے لیے بھی کشف مانا ہے اور یہی حقیقت حفظ الایمان میں بیان کی گئی ہے۔ (فیصلہ کن مناظرہ، ص۱۶۰، ۱۶۵) ساتویں چال یہ چلی گئی کہ ''جس صفت کو ہم مانتے ہیں اس کو رذیل چیز سے تشبیہ دینا یقیناً توہین ہے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا میں صفتِ علم غیب ہم نہیں مانتے اور جو مانے اس کو منع کرتے ہیں، لہٰذا علمِ غیب کی کسی شق کو رذیل چیزوں میں بیان کرنا ہرگز توہین نہیں ہوسکتی''۔ (ترغیم حزب الشیطان مع الشہاب الثاقب، ص۴۵۹ بحوالہ نصرتِ آسمانی) آٹھویں چال یہ چلی اور کہا کہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اولیاء انبیاء خواص و عوام کو ایک پہلو سے برابر قرار دیا (مکتوبات) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نفس انسانیت میں انبیاء علیہم السلام کو غیروں کے برابر کہا (مکتوبات) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے نعمت ہائے عامہ کو مومن و کافر و صالح و فاسق وغیرہ کے لیے یکساں و برابر قرار دیا۔ (تفسیر فتح العزیز) اور مولانا احمد رضا خاں نے ''حیات الاموات'' میں صاف

لکھا کہ ''جو بات شرک ہے اس کے حکم میں احیاء و اموات وانس وجن و ملک وغیرھم تمام مخلوقِ الٰہی یکساں ہیں''۔ (عالم الغیب ،از ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی ،ص ۴۱، ۴۲) تو پھر تھانوی صاحب نے صحیح کہا ہے۔

ان چالوں اور دھوکوں کا مقصود صرف اپنی عوام کو دھوکہ دینا ہے ورنہ یہ دھوکے طفل تسلیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ پہلی چال اور دھوکے کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ (اللہ ایسا قادر ہے کہ) یا (زید ایسا خوبصورت ہے کہ) یا (اسلم ایسا چالاک ہے کہ) تو ان فقروں میں ''ایسا'' کا لفظ موصوف میں بیان ہونے والی صفت کی برتری و بڑائی ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ تو اگر تھانوی صاحب وغیرہ متنازعہ عبارت (ایسا علم غیب تو) میں لفظ ''ایسا'' اِن معنوں میں قرار دیتے ہیں تو یہ تو زید وعمرو ہر صبی و مجنون اور جمیع حیوانات و بہائم کے علم غیب کی برتری و بڑائی کو ظاہر کرے گا۔ تو اس صورت میں ''ایسا'' کا لفظ مابعد والوں کی ماقبل سے برتری و بڑائی کو ظاہر کرے گا، تو اس سے بڑھ کر اور توہین کیا ہوگی؟ اسے کہتے ہیں عذرِ گناہ بدتر از گناہ۔

دوسری چال اور دھوکے کا جواب یہ ہے کہ یہاں معاملہ محض اعلیٰ کو ادنیٰ سے تشبیہ و تمثیل دینے کا نہیں ہے کہ وہ تو حکمائے اسلام (مثلاً مولانا روم وغیرہ) کے ہاں عام ہے۔ خود سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے محل میں خود کو آخری اینٹ بتلایا ہے۔ تشبیہ اعلیٰ بہ ادنیٰ کے سلسلے میں غرض تشبیہ کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ جیسے صاحبِ براھین قاطعہ نے میلاد شریف کی تحقیر کے لیے عید میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم منانے کو کنھیا کے جنم کے سانگ سے تشبیہ دی۔ (براھین قاطعہ ،ص ۱۴۸) یا جیسے محافلِ ایصالِ ثواب کی تحقیر کے لیے قرآن خوانی کو وید پڑھنے سے تشبیہ دے کر اسے رسمِ ہنود کہنا درست قرار دیا۔ (براھین قاطعہ ،ص ۷۹) یونہی تھانوی صاحب کی غرض تشبیہ بھی یہ ہے کہ بعض علمِ غیب کے سلسلے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کوئی تخصیص نہیں ہے (اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے؟) یہ استفہام انکاری ہے، تو تھانوی صاحب نے خصائص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (مذکورہ مسئلہ میں) ختم کرنے اور مٹانے کے لیے اعلیٰ کو ادنیٰ سے تشبیہ دی ہے۔ تو اس قسم کی تشبیہ یقیناً نبی پاک صلی

اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص شان گھٹانے کے لیے ہے اور یہ بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اور یہ تشبیہ دراصل برابری اور مساوات کے لیے ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ برابری اور مساوات کے لیے نہیں بلکہ من بعض الوجوہ ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ جتنا حصہ غیر برابر مانو گے اُتنا حصہ تخصیص ثابت کردے گا۔ جب کہ تھانوی صاحب ہر قسم کی تخصیص ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اور ہر قسم کی تخصیص یہاں اُسی وقت ختم ہوگی جب تشبیہ کو برابری اور مساوات کے لیے لیا جائے گا، ورنہ تخصیص ثابت ہو جائے گی جو زید کے حق میں اور تھانوی کے خلاف ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اہل سنت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض علمِ غیب مانتے ہیں۔ لیکن مخلوقات (کل شئی۔ اولین وآخرین) کے اعتبار سے ازروئے (تبیانا لکل شئی) اور (علمت علم الاولین و الاخرین) آپ کا علمِ غیب کُل کا درجہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے بعض کا درجہ رکھتا ہے۔ پھر حقیقتِ محمدیہ ہی ہر علم کی قاسم ہے تمام مخلوقات میں (انما انا قاسم و اللہ یعطی)۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قاسم العلوم ہیں۔ آپ کا علم قطعی اور یقینی ہے جب کہ زید وعمرو کا کشفی علم قطعی اور یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ بچوں اور پاگلوں کا علم کیسا اور علمِ غیب کیسا اور اسے قطعی اور یقینی ماننا کیسا؟ حیوانات و بہائم کے ادراک کو بعض اعتبار سے علم کہہ دیا جاتا ہے۔ نبراس میں لکھا ہے کہ عرف ولغت وشرع، بہائم سے علم کی نفی کرتے ہیں، پھر بتایا کہ یہ علم بالعقل کی نفی ہے بالحواس کی نہیں ہے اور علم کی تعریف امام ابو منصور ماتریدی سے یہ نقل کی کہ ''وھو صفته یتجلی بھا المذکور لمن قامت ھی بہ''۔ ظاہر ہے کہ ''من'' حقیقتاً ذوی العقول کے لیے ہے لہٰذا غیر ذوی العقول کے ادراک کو علم کہنا مجازاً ہے۔ اب آیئے تھانوی صاحب کے (ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم) کی طرف۔ جب یہ غیر ذوی العقول ہیں اور ان کے ادراک کو حقیقتاً علم ہی قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ مجازاً من وجہ علم کہا جاتا ہے تو ان غیر ذوی العقول کے اس درجہ کے برائے نام علم کو بعض علمِ غیب قرار دینا اور اس کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے مقابلہ پر لاکر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائصِ علمِ غیب کا انکار کرنا گستاخی اور ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

تیسری چال اور دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کا معنی ''اتنا'' اور ''اس قدر'' لیا

جائے جیسا کہ مرتضٰی حسن دربھنگی نے توضیح البیان ص ۸ پر اور سرفراز صفدر نے عباراتِ اکابر ص ۱۸۷ پر لیا ہے تو متنازعہ فیہ عبارت یوں بنے گی (تو اس میں حضور ہی کیا تخصیص ہے اتنا اور اس قدر علمِ غیب تو زید و عمرو ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے حاصل ہے) یہ صراحتاً مساوات اور برابری علم غیب کا دعویٰ ہے۔ لگتا ہے کہ غیر ذوی العقول کے عشق میں خود بھی غیر ذوی العقول بنتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا اتنا اور اس قدر کے الفاظ مساوات اور برابری ثابت کرنے کے لیے نص کا درجہ نہیں رکھتے؟ مولوی حسین احمد مدنی ابھی قدرے ہوش میں تھے اس لیے ڈرتے ڈرتے لکھ گئے کہ "حضرت مولانا عبارت میں لفظ ایسا فرما رہے ہیں، لفظ اتنا تو نہیں فرما رہے ہیں۔ اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذاللہ حضور علیہ السلام کو اور چیزوں کے علم کے برابر کر دیا"۔ (الشہاب الثاقب، ص ۱۰۲) اب کون بتائے کہ حضرت! آپ کے ساتھیوں نے "اتنا" کے ساتھ "اس قدر" بھی لکھا ہے۔ کیا یہ دوگنا معنی برابری کے احتمال کو متعین نہیں کر رہا؟

چوتھی چال اور دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ "ایسا" بمعنی "یہ" لیں تو معاملہ تشبیہ اور مساوات سے بڑھ کر عینیت کا درجہ اختیار کر لے گا۔ یعنی جو بعض علم غیب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، بعینہٖ وہ علمِ غیب تو اِن اِن چیزوں کو بھی حاصل ہے (معاذاللہ)۔ پھر جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علومِ غیبیہ کا ایک مجموعہ قرآن پاک کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے تو تھانوی پرستوں پر لازم آتا ہے کہ زید و عمر ہر صبی و مجنون اور جمیع حیوانات و بہائم کے علومِ غیبیہ کے مجموعے پیش کریں اور ان کو مثلِ قرآن کے مانیں اور ان کی بولی بولیں تاکہ مناظرہ کے عذاب الیم سے ان کی جان چھوٹے۔ (یہی مشورہ مولانا محمد عمر اچھروی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "مقیاسِ حنفیت" میں ان کو دیا ہے)

پانچویں چال اور دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ شرح مواقف اور مطالع الانظار میں فلاسفہ کا الزامی ردّ ہے کہ تم ایک طرف تو کہتے ہو کہ جسے بعض غیب پر اطلاع ہے وہ نبی ہے، اور دوسری طرف کہتے ہو کہ سونے والوں، بیماروں اور ریاضت کرنے والوں کو بھی بعض غیب پر اطلاع ہو جاتی ہے۔ تو تمہارے مذہب پر لازم آیا کہ بعض غیب پر اطلاع خاصۂ نبوت نہیں

ہے کہ جس کو بعض غیب کی اطلاع ہو اسے نبی مانا جائے۔ ان کے مخالف پر الزام کو اُن کا عقیدہ نہ بتاؤ۔ "بعض غیب پر اطلاع خاصہ نبوت نہیں" کا جملہ الزامی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ "ماکان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن یجتبی من رسلہ من یشاء" (آل عمران، آیت ۱۷۹) اور "عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول " (الجن، آیت ۲۶) اور اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ (اے لوگو! اے زید وعمر وغیرہ) وہ تمہیں غیب پر مطلع کردے ہاں اللہ چن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔ (وہ) غیب جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی (عام آدمی زید وعمر وغیرہ) کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جنہیں پسند فرمالیا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔ ان دو آیتوں میں غیب کی اطلاع اور اظہار کو رسولوں سے خاص بتلایا گیا ہے۔ اس تخصیص کا انکار قرآن مجید کا انکار ہے۔ پھر اگر نفسِ بعضیت کی تخصیص نہ بھی ہو تو بھی نفس اطلاع و اظہار کی تخصیص تو موجود ہے۔ پھر اگر بفرض محال شرح مواقف و مطالع الانظار کی عبارات کو الزامی نہ قرار دیں تو پھر بھی خاصہ توڑتے ہوئے حقیر اشیاء کو نام لے لے کر مقابلے پر بیان کرنا کیا بے ادبی و گستاخی نہیں ہے؟ دیکھئے اللہ تعالیٰ کو اجمالاً ہر شے کا خالق کہنا ایمان ہے مگر تفصیل کے ساتھ خالق القردۃ والخنازیر (یعنی پیدا کرنے والا سؤروں اور بندروں کا) کہنا توہین اور گستاخی ہے۔ (الشہاب الثاقب، ص۱۰۵ وغیرہ) (مثلہا۔ بوادر النوادر، ص۲۰۹) (فیصلہ کن مناظرہ، ص۱۵۳) بلکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ کتا، گدھا اور عورت نمازی کے آگے سے گزریں تو نماز منقطع ہو جاتی ہے، تو آپ ناراض ہوئیں اور فرمایا "قرنتمونابھم" (مسند امام اعظم)، "شبھتمونا بالحمر و الکلاب" (بخاری، مسلم) "عدلتمونا بالکلاب و الحمر" (مسلم) "جعلتمونا کلابا" (بخاری) تم نے ہمیں ان کے ساتھ ملا دیا، تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں سے تشبیہ دی، تم نے ہمیں کتوں اور گدھوں کے برابر کر دیا، تم نے ہمیں کتے بنادیا۔ (معاذ اللہ) واقعی کوئی چھوٹا اپنے بڑے کے بارے میں از خود یہ انداز گفتگو اختیار کرے تو بے ادبی و گستاخی ہے۔ مگر کوئی بڑا اپنے سے چھوٹے کے بارے میں ایسا انداز اختیار کرے تو درست اور حق ہے۔ چنانچہ اگر وہ تابعی حدیثِ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر کرتے ہوئے وہ جملہ بولتا تو ام المومنین قطعاً اعتراض نہ کرتیں۔ واضح رہے کہ تھانوی نے یہ انداز تقویت الایمان سے لیا ہے، تقویت الایمان مطبوعہ کتب خانہ مجیدیہ ملتان کے صفحہ ۲۲۴ پر اسماعیل دہلوی نے اپنی اس عادت کا دفاع یوں کیا ہے کہ "میں نے اجمال کی تفصیل کردی تو کیا گناہ کیا؟" ناظرین پر اجمال و تفصیل میں ادب و بے ادبی کا معاملہ واضح ہو چکا ہے۔ اسماعیل دہلوی کی اس گستاخانہ عبارت کا ذکر امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ کیا ہر بار نبی و ولی سے ...... شیطاں بھوت ملاتے یہ ہیں۔ (الاستمداد، ص۴۵) کیا ام المومنین کے بیٹے اب بھی حق و باطل کا فرق نہیں سمجھ سکتے؟

چھٹی چال اور دھوکا کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے، امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ہر صبی و مجنون اور جمیع حیوانات و بہائم کے لیے "علم غیب" کا لفظ کہیں بھی اطلاق نہیں فرمایا ہے، اور نہ ہی آپ نے تھانوی کی طرح کسی جگہ علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کا انکار فرمایا ہے اور نہ ہی کہیں آپ نے حفظ الایمان جیسی عبارت کے برحق ہونے کا قول کیا ہے، آپ نے اس عبارت اور اس طرح کے مفہوم کی تکفیر و تضلیل فرمائی ہے۔ اس حوالے سے مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمہ کے نام پر جو جھوٹ سیف النقی میں گھڑا گیا وہی جھوٹا حوالہ مولوی حسین احمد مدنی نے الشہاب الثاقب، ص۹۹ پر پیش کر کے جھوٹ کی اشاعت و تبلیغ میں اپنا حق ادا کیا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تحریروں سے یہ بات تو متعدد مقامات پر ثابت ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض علم غیب حاصل ہے، اگر بفرض محال یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ باقی مخلوقات کو بھی بعض علم غیب حاصل ہیں، تو بھی انکار خصائص موجود نہیں، نہ ہی تشبیہ کے الفاظ، نہ باقی مخلوقات کی تحقیر و توہین آمیز تفصیل۔ تو اسے تھانوی کی عبارت کے برحق اور غیر توہینی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کرنا خلق فریبی ہے یا پھر خود فریبی۔ پھر تھانوی کی اس عبارت متنازعہ سے توہین کے اجزاء نکال دیں، تو باقی اجزاء سے توہین کی بجائے تعظیم کا فائدہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ "جب تمہارے نزدیک (اے دیوبندیو!) زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی بعض علم غیب حاصل ہے تو اسی طرح اصل ہر کمال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

لیے بعض علم غیب ماننا کیونکر کفر و شرک ہو سکتا ہے"۔

ساتویں چال اور دھوکا کا جواب یہ ہے کہ مولوی عبدالشکور لکھنوی نے یہ بات تو مان لی کہ "جس صفت کو ہم مانتے ہیں اس کو رذیل چیز سے تشبیہ دینا یقیناً توہین ہے"۔ اب ہم صرف یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ تھانوی نے لکھا ہے کہ "یہ تو کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بعض غیوب کا علم عطا فرما دیا مگر ان انبیاء کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں"۔ (بوادر النوادر، ص ۵۳۲) پس لکھنوی کے فتوے کی رو سے تھانوی نے بعض غیب کا علم مانتے ہوئے رذیل چیز سے تشبیہ دی ہے اور توہین کا ارتکاب کیا ہے۔ رہ گیا لکھنوی کا خود بعض علم غیب ماننے سے انکاری ہونا تو ایسی بات پر مولوی سرفراز صفدر نے یہ فتوىٰ دیا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی ذاتِ گرامی کے لیے بعض علومِ غیبیہ کا عطا ہونا مسلّم حقیقت ہے اور کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں ہے"۔ (تنقید متین، ص ۱۶۲) لیجیے تھانوی کو لکھنوی نے گستاخ بتایا تو لکھنوی کو بھی سرفراز نے مسلمان نہ مانا۔

آٹھویں اور آخری چال اور دھوکا یہ دیا کہ معبود نہ ہونے میں سب برابر ہیں، مخلوق ہونے میں سب برابر ہیں، انسان ہونے میں سب برابر ہیں تو علم غیب میں بھی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص ماننے کی کیا ضرورت ہے، یہاں بھی معاذ اللہ سب مخلوق کو برابر مانا جا سکتا ہے۔ ان مثالوں سے مطالعۂ بریلویت کے مصنف خالد محمود نے صاف مان لیا کہ حفظ الایمان کی عبارت میں ایسا کی تشبیہ سے برابری لازم آتی ہے۔ اب المہند ص ۶۴ دیکھو کہ "جو شخص نبی علیہ السلام کے علم کو زید و بکر و بہائم و مجانین کے علم کے برابر سمجھے یا کہے وہ قطعاً کافر ہے"۔ نفس مخلوقیت یا نفسِ انسانیت میں برابری کا قول کرنا اور بات ہے مگر ان کی مخلوقیت یا انسانیت کے خصائص کا انکار کر کے پھر برابری کا قول کرنا اور بات ہے۔ مابہ الاشتراک (مشترک) باتوں پر مابہ الامتیاز (خاص) باتوں کا قیاس نہ کرو۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ مولوی خالد محمود نے اپنے رسالہ "عالم الغیب" میں حفظ الایمان میں مذکور زید کا تعین کرتے ہوئے صراحۃً جھوٹ بول دیا کہ "زید سے مراد مولانا احمد رضا خاں تھے"۔ (رسالہ عالم الغیب، ص ۵۲) حالانکہ حفظ الایمان تو ۱۳۱۹ھ میں لکھی گئی ہے جب

کہ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے ۱۳۱۱ھ میں ''الامن والعلی'' لکھی تو اس میں لکھا کہ'' مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ ہے''۔ (الامن والعلی، ص۲۰۳) مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے ''راد المھند'' ص۶۳ پر لکھا کہ ''حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا بہتر نہیں''۔ البتہ فتاویٰ مہریہ، ص۱۴ پر حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمہ نے لکھا کہ ''آپ کو عالم الغیب عطائی وہبی کہا جا سکتا ہے''۔ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ تو سجدۂ تعظیمی اور بوسہ وطواف قبر کے بھی خلاف تھے تو انہیں حفظ الایمان کا مذکور زید قرار دینا جہالت ہی نہیں ظلم بھی ہے۔

حفظ الایمان کے ۲۳ سال بعد تھانوی صاحب کو ایک خط لکھا گیا جس میں متنازعہ عبارت کو ''بادی النظر میں سخت سوء ادبی'' قرار دیا گیا۔ اس کے جواب میں تھانوی نے ''تغیر العنوان'' لکھی جس میں اعتراف کیا کہ ''سوال ہذا میں جو بناء بیان کی گئی ہے ایک امر واقعی ہے''۔ پھر اس کے بعد بھی سابقہ عبارت کو صحیح مانتے ہوئے بہتر اور مستحسن عبارت یوں بنائی کہ ''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے، مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے''۔ حالانکہ زید اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتا ہے تو مطلق بعض غیوب کے علم کے سبب نہیں کہتا بلکہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خصائصِ علم غیب کی بنا پر ایسا کہتا ہے۔ تو تھانوی صاحب کا یہ استدلال بے کار ہے، یہ اسی صورت درست استدلال ہوگا جب علمی برابری کا قول کیا جائے ورنہ تخصیص موجود رہے گی جسے زید عالم الغیب کہنے کی وجہ قرار دے گا، اور تھانوی کی یہ دلیل فضول قرار پائے گی۔ تاہم اس بدلی ہوئی عبارت کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ ''ایسا'' کے لفظ کے سبب اور ''زید وعمر ہر صبی مجنون جمیع حیوانات و بہائم'' کی تفصیل کی وجہ سے تھانوی صاحب بھی اپنی عبارت کو جی ہی جی میں گستاخانہ مانتے تھے۔ عبارت تو بدلی مگر سابقہ عبارت کو بھی درست قرار دیا اور اس سے توبہ نہ کی اور یوں ایک بے ادب کی حیثیت سے ۱۳۶۲ھ میں مر کر مٹی میں مل گئے۔

اس متنازعہ فیہ عبارت کا ردِّ عمل کیا ہوا؟ مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ''اس رسالہ کے چھپتے ہی ہندوستان کے طول و عرض میں عام طور پر مسلمانوں

میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی"۔ (بزمِ خیر از زید، ص۲۲) میرٹھ میں پیر سید گلاب شاہ نے شاہ ابوالخیر اور مولوی احمد بن قاسم نانوتوی کی موجودگی میں مولوی اشرف علی تھانوی کو للکارا۔ تھانوی نے بسط البنان میں وضاحت کرنے کا بتلایا تو انہوں نے اس کو ٹھکرا دیا اور تھانوی کو گمراہ کرنے والا قرار دیا۔ (بزمِ خیر از زید، ص۱۱) شاہ ابوالخیر نے اپنی نماز باجماعت میں تھانوی کو امام تو کیا مقتدی کی حیثیت سے بھی شامل ہونے کی اجازت نہ دی۔ (تحقیقات از مفتی شریف الحق امجدی، ص۳۳۴ بحوالہ بزم جمشید) حیدر آباد (دکن) میں پیر سید محمد جیلانی نے حفظ الایمان کی متنازعہ فیہ عبارت کو قبیح قرار دیا، پھر اشرف علی تھانوی مکہ مسجد میں آئے تو آپ نے تھانوی کے روبرو عبارت مذکورہ کو قبیح ثابت کیا اور اس سے کفر کی بدبو آنا بتلایا، پھر آپ نے مولوی احمد بن قاسم نانوتوی کو بلوایا اور رسالہ کی قباحت بیان کی اور اس کے خلاف فتویٰ دیا، پھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر ان کے حفظ الایمان کے خلاف اس جہاد کو قبول فرمایا اور خوشی ظاہر فرمائی اور ان کی مدینہ شریف میں رہنے کی درخواست قبول فرمائی۔ (مقاماتِ خیر، ص۶۱۶، سیرت النبی بعد از وصال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج۶، ص۱۶۹ ۱۷۰، از عبدالمجید ایڈوکیٹ دیوبندی) محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش ہونے کی یہ خوش خبری تمام مخالفینِ حفظ الایمان کے لیے ہے اور ہم بے نواؤں کے لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا اور مسکرا دینا ہی سب کچھ ہے۔

آخر میں ایک بار پھر واضح کر دوں کہ مخالفین کا آخری سہارا بظاہر بعض علماء و مشائخ ہیں کہ انہوں نے اکابر دیوبند کو مسلمان مانا اور تعریف کی ہے اور ان میں بعض اہل کشف بھی شامل ہیں۔ تو اس سلسلے میں جواباً عرض ہے کہ متنازعہ فیہ عبارات کا دفاع کر کے کسی نے مومن صالح مانا ہے تو پیش کرو، ورنہ وہ متنازعہ فیہ عبارات سے بے خبری پر محمول ہے کیونکہ مسلمان پر بدگمانی منع ہے اور کشف و الہام دلیل ظنی ہیں۔ اس لیے بدگمانی سے بچنے کے لیے اور دوسرے مسلمانوں سے خود کو کم تر سمجھنے اور عاجزی و انکساری کے جذبے سے (بجائے تکبر کرنے کے) دوسروں کی تعریف کرنا جائز اور ممکن ہے۔ پھر ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری سورت نازل ہونے تک بھی منافقین (چھپے ہوئے کافروں) کا

علم نہ تھا۔ (بوارق الغیب، از مولوی منظور نعمانی، ص ۲۱۸، ۲۲۰ وغیرہ) تم یہ بھی کہتے ہو کہ اپنی بے علمی کے سبب قیامت کے دن بھی بعض مرتدوں کو بھی سرکار اپنا امتی اور صحابی قرار دیں گے۔ (بوارق الغیب، ج ۲، ص ۴۱۔۴۵) پھر ان کے اعمال کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے گی تو آپ فوراً اظہارِ برأت فرمالیں گے۔ پھر تم خود ہی کہتے ہو کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی بے علمی کی وجہ سے کسی چرب زبان کو صادق مان سکتے ہیں۔ (بوارق الغیب، ج ۲، ص ۶۹) جھوٹے کو سچا اور منافق و مرتد کو امتی و صحابی کے عارضی فتوے اگر تمہارے نزدیک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بے خبری کی حالت میں دیئے ہیں تو پھر بعض علماء و مشائخ نے بھی اگر اکابر دیوبند کی کفریہ گستاخانہ عبارات سے بے خبر رہتے ہوئے حسنِ ظن کی بنا پر کوئی تعریفی کلمات کہے ہیں تو وہ صحابی سے تو درجہ میں کم ہی کہے ہوں گے۔ اُن بے خبری میں کہے گئے تعریفی کلمات پر اترانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی مرتد قیامت کے دن امتی اور اصحابی کے الفاظ پر اترائے (جو تمہارے نزدیک بے علمی کی وجہ سے کہے گئے اور ہمارے نزدیک عدم توجہ اور غلبۂ رحمت کی وجہ سے فرمائے گئے، یا پھر زجر و توبیخ کے طور پر، جیسے "ذق انک انت العزیز الکریم"۔ ہاں ہاں چکھ لے عذاب تو ہی عزت والا اکرام والا ہے)۔

بعض جوشیلے یوں کہہ دیتے ہیں کہ ہم احمد رضا خاں کے تکفیر و تضلیل کے فتوے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے مولوی رشید احمد گنگوہی تو اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوے کو بھی بزعم خویش غلط بتلاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو بے ایمان (کافر) سمجھا مگر اللہ نے انہیں کافر نہ مانا بلکہ ایمان دار مانا۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲، ص ۱۹۵) جب تکفیر کا فتویٰ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی برحق نہیں مانتے تو حسام الحرمین کو برحق نہ ماننا کون سے تعجب کی بات ہے؟

الغرض زمانہ غربتِ اسلام کا ہے، کفر بکنے والے کو کوئی نہیں پوچھتا، اس پر تنقید کرنے والے کو غیر مہذب سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی کرسیاں سلامت رہیں، قائدینِ ملت کی قیادتیں چمکتی رہیں، علماء کی مسندیں سجی رہیں، سجادہ نشینوں کے سجادے پُر رونق رہیں، اُمراء کے ڈیرے آباد رہیں۔ گستاخانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قانونی

کاروائی کرنے اور ان سے تعلقات محبت خراب کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ ان حالات میں ہم غربائے اہل سنت اپنے رنج وغم کی فریاد اللہ ہی سے کرتے ہیں اور اس کے سوا ہم رنجور دل اور بے بس لوگ اور کر بھی کیا سکتے ہیں!

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆☆☆☆